MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL
ماہنامہ
لاہور
مرآۃ العارفین انٹرنیشنل
جلد نمبر 25
شمارہ نمبر 05
ستمبر 2024ء، ربیع الاول 1446ھ
WWW.MIRRAT.COM

سیرت نمبر

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

سیّدی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ

بے شک رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ ہی کوئی نبی ہے۔

(سنن الترمذی، بَابُ ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ)

حضور نبی کریم (ﷺ) نے اپنے بعد نبوت کے ہر احتمال اور امکان کی کلیتاً نفی فرما کر **عقیدۂ ختم نبوت** کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے۔**عقیدۂ ختمِ نبوت** اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اس کا عارضی اور لمحاتی تعطل بھی دین کی روح کو سبوتاژ کر دیتا ہے۔لہذا! **عقیدۂ ختمِ نبوت** کی پاسداری اور حفاظت پہ سمجھوتہ اسلام کی اساس پہ سمجھوتہ ہے۔

مسلسل اشاعت کا پچیسواں سال

MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماھنامہ

مرآۃ العارفین انٹرنیشنل

لاہور

ستمبر 2024ء / ربیع الاول 1446ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فیضانِ نظر

سُلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحب قدس سرہ العزیز

چیف ایڈیٹر: صاحبزادہ سلطان احمد علی

ایڈیٹوریل بورڈ:
- سید عزیز اللہ شاہ ایڈووکیٹ
- مفتی محمد شیر القادری
- افضل عباس خان

آرٹ ایڈیٹر:
- محمد احمد رضا
- واصف علی

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری (اقبال)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو کی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان،
اصلاحِ انسانیت کا پیمبر، اتحادِ ملّت بیضا کے لئے کوشاں، نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکامِ پاکستان کا داعی

اس شمارے میں

1	اقتباس		3
	اداریہ		
2	دستک		4
	سیرت نمبر		
	Time Management		
3	تنظیم وقت کا جدید تصور اور سیرت النبی (ﷺ) سے رہنما اُصول	محمد شہباز عزیز	5
	Leadership		
4	ربطِ عام	جوئل ہیورڈ	11
5	دورِ جدید میں سمارٹ ورک اور ملٹی ٹاسکنگ کا رجحان	غلام یٰسین	13
	Physical Fitness		
6	تفریحِ طبع اور جسمانی ورزش: تعلیمات نبوی (ﷺ) کی روشنی میں	لئیق احمد	18
	Travelling		
7	اسفارِ رسول (ﷺ)	شہلا نور	21
	Judicial Ethics		
8	منصب قضاء کے تقاضے: سیرت نبوی (ﷺ) کی روشنی میں	مفتی محمد صدیق خان قادری	30
	Knowledge		
9	احادیثِ نبویہ (ﷺ) اور فضیلتِ علم	مفتی محمد اسماعیل خان نیازی	34
10	حضور نبی کریم (ﷺ) کا علم اور صوفیانہ استدلال	مفتی محمد منظور حسین	40
	Love & Respect		
11	غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی پر ایک نظر	مستحسن رضا جامی	45

فی شمارہ نیوز پیپر	فی شمارہ آرٹ پیپر
80 روپے	110 روپے
سالانہ (ممبر شپ) 960 روپے	سالانہ (ممبر شپ) 1320 روپے

سعودی ریال	امریکی ڈالر	یورپین پونڈ
800	400	280

اپنی بہترین اور مؤثر کاروباری تشہیر کیلئے مرآۃ العارفین میں اشتہار دیجئے رابطہ کیلئے: 0300-1275009

پبلشر سجاد علی چوہدری نے قاسم نعیم آرٹ پریس، بندروڈ، لاہور سے چھپوا کر 8-BS-698 تاج کمپنی چوک نزد ایم سی پی چوہان روڈ بندروڈ لاہور سے شائع کیا

برائے خط و کتابت ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل P.O.Box No.11 جی پی او، لاہور E-mail: miratularifeen@hotmail.com
WWW.ALFAQR.NET, WWW.MIRRAT.COM

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى"

"اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے - وہ تو نہیں مگر وحی جو اُنہیں کی جاتی ہے"-(النجم:3-4)

"حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: روزِ قیامت میں تمام اَولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور مجھے اِس پر کوئی فخر نہیں؛ اور اُس روز لواء حمد (حمدِ الٰہی کا جھنڈا) میرے ہاتھ میں ہو گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں؛ اور اُس روز آدم سمیت تمام نبی میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جس کے (باہر نکلنے کے) لیے زمین کا سینہ کھولا جائے گا اور اس (اَوّلیت) پر مجھے فخر نہیں"-(سنن ترمذی، ابواب المناقب)

سرِّ سبحانی محبوبِ سبحانی غوث الاعظم محی الدینؒ
سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ
فرمان

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہ سوتا تھا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے پیچھے سے اسی طرح ملاحظہ فرماتے تھے جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے - ہر ایک (بندہ مومن) کی بیداری اس کے حال کی مقدار کے موافق ہوتی ہے پس جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیداری تک تو کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا اور نہ کسی کی طاقت ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خاصیتوں میں سے کسی خاصہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ساجھی یا شریک ہو سکے - ہاں اتنی بات ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت کے ابدال اور اولیاء آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کے پس خوردہ (بچے ہوئے) کھانے اور پانی (کے دستر خوان) پر آتے ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کے مقامات کے سمندروں میں سے ایک قطرہ اور کرامات کے پہاڑوں میں سے ایک ذرہ ان کو دے دیا جاتا ہے کیونکہ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وارث ہیں - آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین کو مضبوطی سے تھامے ہوئے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مددگار، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک پہنچنے کا راستہ بتانے والے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین اور شریعت کو پھیلانے والے ہیں - اللہ تعالیٰ کی سلامتیاں اور تحیات آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وارثوں پر قیامت تک نازل ہوتی رہیں"- (الفتح الربانی)

سلطان العارفین
حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ
فرمان

بسم اللہ اسم اللہ دا ایہہ بھی گہناں بھارا ھو
نال شفاعت سرورِ عالم چھٹسی عالم سارا ھو
حدوں بیحد درود نبی نوں جیندا ایڈ پسارا ھو
میں قربان تنہاں توں باھو جنہاں ملیا نبی سوہارا ھو
(ابیاتِ باھُو)

فرمانِ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب
گُنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جُنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمالِ بے نقاب
(بال جبریل)

فرمانِ قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ

ایمان، اتحاد، تنظیم

"جب رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے دین کی تبلیغ شروع کی تو دنیا بھر میں صرف ایک کی اقلیت میں تھے لیکن قرآن مجید کی اعانت سے انہوں نے ساری کائنات کو چیلنج کیا اور مختصر ترین مدت میں دنیا میں عظیم ترین انقلاب برپا کر دیا - اگر مسلمان یقین کی وہ قوت، تنظیم، نظم و ضبط اور ایثار کی طاقت حاصل کر لیں تو انہیں ساری دنیا کی معاندانہ قوتوں سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں"-(دی اسٹار آف انڈیا، 7 جنوری 1938ء)

مطالعۂ سیرتِ نبوی (ﷺ) کی ضرورت واہمیت

سیّد الاولین والآخرین، حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی سیرت مبارکہ اس قدر ارفع واعلیٰ، اَکمل واَجمل، اَنوَر واَطہر ہے کہ خود اللہ رب العزت نے اس کو "اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ" قرار دے کر تمام مسلمانوں کو اس کی کامل پیروی کا حکم ارشاد فرمایا- یادرہے مسلمان کے لیے سیرت کا مطالعہ فقط ایک علمی مشغلہ نہیں، بلکہ اہم دینی ضرورت ہے، کیونکہ حضور نبی کریم (ﷺ) کی ذاتِ مبارکہ دین کا بنیادی ماخذ ہے- ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اُس کے دل میں حبیبِ خدا (ﷺ) کی محبت ہر شے سے بڑھ کر ہو حتیٰ کہ ماں باپ اور اولاد سے بھی زیادہ ہو- محبتِ رسول (ﷺ) کے حصول اور اس میں اضافے کا ایک بہترین ذریعہ سیرتِ مبارکہ کے مطالعہ کو زندگی کا معمول بنالینا ہے- کیونکہ جو شخص جس سے محبت کرتا ہے، اُس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے- سیرتِ طیبہ میں کمال دَر کمال، جمال دَر جمال اور حسن دَر حسن ہے، توجو کوئی، بے مثل آقا کریم (ﷺ) کے احوالِ کریمہ کا جتنا مطالعہ کرے گا، اسی قدر محبت و عشقِ رسول (ﷺ) کی منازل طے کرتا جائے گا- قرآن مجید کے بارے علامہ محمد اقبال (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

نسخۂ اسرارِ تکوین حیات ‏ ‏ ‏ بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

"وہ قرآن، زندگی کو وجود میں لانے والے بھیدوں کا نسخہ ہے- گرتے پڑتے افراد واقوام بھی قرآن کی قوتِ فیضان سے سنبھل جاتے ہیں"-

فہمِ قرآن کا بہترین ذریعہ بھی مطالعۂ سیرت نبوی (ﷺ) ہی ہے کیونکہ قرآن مجید کے آفاقی وجاوداں، حیات بخش پیغام کی تشریح سنت وسیرت رسول (ﷺ) ہی کے ذریعہ ہوتی ہے- آپ (ﷺ) ناطقِ قرآن اور سیرتِ نبوی (ﷺ) قرآنِ کریم کی عملی تفسیر اور الفاظِ قرآنی کی عملی ترجمانی و تعبیر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا قرآنِ کریم میں حکم دیا، آپ (ﷺ) نے اس پر کامل انداز میں عمل کر کے دکھایا-

ام المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نے اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ فرمایا کہ آقا کریم (ﷺ) کا اَخلاق تو قرآن تھا (مسند احمد)-

مقاصدِ نزولِ قرآن کا کماحقہ ظہور بھی حضور نبی کریم (ﷺ) کے اعمال واحوال سے ہوتا ہے اور اصول واحکامِ قرآن کی تفصیل و تبیین و تشریح بھی حضور نبی کریم (ﷺ) کے اقوال وافعال ہی سے ہوتی ہے جسے عام الفاظ میں حدیث، سنت اور سیرت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ قرآنِ مجید، اصول کی کتاب ہے یعنی قرآن پاک میں مرکزی اصول اور بنیادی احکام تو موجود ہیں، لیکن اُن کی تفصیلات نہیں ہیں، مثلاً نماز قائم کرنے، روزہ رکھنے، حج کرنے، زکوٰۃ دینے اور اِسی طرح دیگر اجمالی احکام تو بیان کیے گئے ہیں، لیکن اُن پر عمل درآمد کا طریقہ بیان نہیں کیا گیا- حضور نبی کریم (ﷺ) نے قرآن مجید میں بیان کردہ اُصول و قواعد اور احکام وہدایات کو اپنے فرامین اور عمل سے واضح کر دیا کہ نماز کی ترتیب و کیفیت و وقت کیا ہے؟ افعالِ حج کی ادائیگی کا طریقہ کار کیا ہے؟ قابلِ زکوٰۃ اموال کا تعیُّن اور اُن کی مقداریں کیا ہیں؟ وغیرہا- قرآن مجید پر عمل کے حکم کو بجالانے کے لیے سیرت کی طرف رجوع کئے بغیر گزارا نہیں اور مطالعۂ سیرت کے بغیر قرآن کریم سمجھنا نہایت دشوار ہے- اس طرح زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو اس کا تعلق چاہے ظاہر سے ہو یا باطن وحقیقت سے ہو، مسلمان کے لیے اس کے بارے میں رہنمائی کا اولین اور معتبر ذریعہ سیرت رسول عربی (ﷺ) ہی ہے-

لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج ہم جس طرح اس فریضہ سے غفلت برت رہے ہیں وہ محض اس وجہ سے ہے کہ اس کی حقیقی ضرورت واہمیت کا احساس ہمارے دلوں سے محو ہو گیا ہے- ہماری زندگیوں کی نہج کچھ ایسی بن گئی ہے کہ ہمیں اس اہم خلاء کا احساس بھی کم ہوتا ہے جو ہماری زندگیوں میں مطالعۂ سیرت کے فقدان یا کمی کی بناء پر پیدا ہو گیا ہے اور جس کی وجہ سے ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کی تشکیل و تعمیر کے لئے حقیقی روشنی اور رہنمائی کے سر چشمے سے محروم ہو گئے ہیں اور یہ وہ محرومی ہے جس کا ذمہ دار خود ہمارے اپنے سوا کوئی نہیں ہے-

تنظیمِ وقت کا جدید تصور اور سیرت النبی ﷺ سے رہنما اُصول

حافظ محمد شہباز عزیز

وقت عظیم عطیۂ خداوندی اور انسان کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے جس کی بازیافت اور تلافی ناممکن ہے- ماضی، حال، مستقبل سب وقت پر منحصر ہے-

جدید دور میں تنظیمِ وقت کیسے کی جائے؟ منظم و بامقصد زندگی کیسے گزاری جائے؟ زندگی کا ہر لمحہ کیسے مؤثر و پائیدار بنایا جائے؟ اس کیلئے قرآن مجید کی تعلیمات[1]، اسوہ رسول اللہ (ﷺ) اور تعلیماتِ نبوی (ﷺ) سے واضح ہدایات اور رہنما اصول و ضوابط عطا کیے گئے ہیں-

بلاشبہ صحیح معنوں میں ہدایت و فیض یابی کے حصول اور زندگی بسر کرنے کے تفصیلی قواعد و ضوابط سیکھنے کے لیے سنتِ رسول (ﷺ) کو اپنا رفیق و رہبر بنانا روحِ ایمان کا بنیادی تقاضا اور اوّلین شرط ہے-

خواہ جدید دنیا ایڈمنسٹریشن و مینجمنٹ کے تمام شعبوں میں بہتری و ترقی کے لحاظ سے بامِ عروج تک پہنچ جائے پھر بھی آرگنائزیشن اور ایڈمنسٹریشن کے مسلّم ضابطوں اور صحیح اسلوب تک رسائی کے لئے سیرتِ خاتم النبیین (ﷺ) کو روزنِ دید بنانا پڑتا ہے-

سیرت النبی (ﷺ) کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی سب سے عظیم، کامیاب اور بااثر شخصیت کی حیثیت سے حضور نبی کریم (ﷺ) نے اپنی زندگی کے ہر میدان میں وقت کی اہمیت، وقت شناسی اور تنظیمِ وقت کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا- مثلاً ریاست مدینہ کے سربراہ کی حیثیت سے حضور نبی اکرم (ﷺ) نے مینجمنٹ کے لیے جو اقدامات فرمائے ان میں تنظیمِ وقت بہ غایتِ اولیٰ نظر آتی ہے-[2] اس کے علاوہ معاملات و معمولاتِ زندگی میں اعلیٰ و مؤثر ترین تنظیمِ اوقات کے اعتبار سے کرۂ ارض پہ آپ (ﷺ) کی ذاتِ مبارکہ سے بڑھ کر عمدہ و قابلِ تقلید عملی مثال نہیں مل سکتی- آپ (ﷺ) بیک وقت ایک والد، معلمؒ، شوہر، مبلغ، مدبّر و مفکر، قانون ساز، ثالث و عادل، فاتح سپہ سالار، سفارتکار، تاجر، سیاسی قائد، ریاست کے بانی، سربراہِ مملکت اور روحانی پیشوا تھے- اس قدر ہمہ جہت و ہمہ گیر شخصیت کسی دوسرے انسان کی نہیں ہو سکتی- جسے دیکھ کر ایک عام آدمی ورطہ حیرت میں رہ جاتا کہ اتنی محدود مدت میں اس قدر ہمہ جہت شخصیت کیسے زندگی کے ہر شعبے میں سارے کام انتہائی نظم و ضبط، صحیح منصوبہ بندی اور اعتدال و میانہ روی و خوش اسلوبی سے سر انجام دے سکتی ہے- یہی تو سیرتِ مصطفٰے (ﷺ) کا اعجاز اور انفرادیت ہے-

آج دنیا میں تنظیمِ وقت زیادہ تر مغربی طریقوں اور مطالعات پہ مبنی ہے جبکہ رسول اللہ (ﷺ) نے 1400 برس قبل مینجمنٹ کے جن اصولوں اور اقدار کی بنیاد رکھی وہ مینجمنٹ کے مغربی تصورات سے کہیں بڑھ کر قابلِ عمل ہیں[3] تنظیمِ وقت کے مغربی تصور میں فرد کی صرف مادی ضروریات کا خیال رکھا گیا ہے جبکہ سیرتِ رسول (ﷺ) کا تصور تنظیمِ

---

[1] (ہم مجلّہ ہذا کے خصوصی شمارہ (قرآن نمبر 2023ء) میں تعلیماتِ قرآن مجید کی روشنی میں وقت کی اہمیت اور تنظیمِ وقت پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں- یہاں صرف سیرت النبی (ﷺ) کے تناظر میں تنظیمِ وقت کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے-)

[2] تفصیل کیلئے دیکھیے: Time Management from Islamic and Administrative Perspective - Dr. Khalid Al-Jeraisy

[3] Time Management in Islam, Shama Razi, Al-Idah 32 (June. 2016)

وقت سماج کی مادی اور اخلاقی وروحانی ضروریات کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں ہر کامیابی، عظمت اور جدت ان عناصر سے منسلک ہے جو تنظیمِ وقت میں کام آتے ہیں اور مذکورہ عناصر کے مطابق سیرتِ رسول (ﷺ) تنظیمِ وقت کی تمام تھیوریز پر مقدم ہے۔[4] معاصر مینجمنٹ ماہرین نے حضور نبی کریم (ﷺ) کو Master of Skillful Time Management کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ امریکہ کی مونٹکلیر سٹیٹ یونیورسٹی کے پروفیسر یوکسل اسلاندوگن نے اپنے مضمون:

"The time management in the life of Prophet Muhammad".

میں لکھا ہے کہ جب ہم تنظیمِ وقت کے تناظر میں حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو چار اہم اصول ہمارے سامنے آتے ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ انہیں اصولوں پر اکثر موجودہ ماہرینِ ٹائم مینجمنٹ کا اتفاق ہے۔ وہ چار اصول یہ ہیں:

1. وقت کی قدردانی کے نتیجے میں دستیاب وقت کے ہر حصے کا بہترین استعمال کرنا۔
2. ایک مشن و مقصد کے تحت اقدار میں رہتے ہوئے ہر سرگرمی کیلئے منصوبہ بندی کی ترجیحات۔
3. ٹائم پالیسی یا ٹائم بجٹ قائم کرنا (ترجیحات کے مطابق کام کی یومیہ، ہفتہ وار، ماہانہ یا سالانہ تقسیم)۔
4. مختص اوقات کے اندر شیڈول سرگرمیوں کی تکمیل۔[5]

حضور نبی کریم (ﷺ) وقت کے پابند اور وقت کے استعمال میں انتہا درجہ محتاط تھے - آپ (ﷺ) نے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا بلکہ ایسا کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی۔[6] اسی طرح آپ (ﷺ) کی زندگی نظم وضبط اور توازن کا آئینہ دار تھی جس میں کبھی کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ محققین نے بیان کیا ہے کہ تنظیمِ وقت کے حوالے سے سیرت النبی (ﷺ) سے درج ذیل پانچ اسباق (اصول) وقت کو نتیجہ خیز اور بامقصد بنانے کیلئے انتہائی مؤثر ہیں۔

1. سحر خیزی کو اپنا معمول بنانا
2. اپنے دن کو نمازِ پنجگانہ کے گرد شیڈول کرنا
3. ترجیحات کا تعین کرتے ہوئے مستقل مزاجی اختیار کرنا
4. نیکی (اعمالِ صالحہ) میں عجلت کرنا
5. دوسروں کے وقت کا احترام کرنا[7]

وقت کی اہمیت اور تنظیمِ وقت پر احادیثِ رسول (ﷺ):

احادیثِ رسول (ﷺ) میں وقت کی اہمیت و قدردانی اور تنظیمِ وقت کی زبردست تاکید کی گئی ہے۔ آقا پاک (ﷺ) کی روزمرہ کی ترتیب (Daily life)[8] میں مختلف سرگرمیوں کیلئے تعین اوقات اس کی ایک عملی مثال ہے جسے اپنا کر کوئی بھی انسان منظم ومتوازن زندگی گزار سکتا ہے۔

حضور نبی کریم (ﷺ) کا نظام اوقات:

نظامِ اوقات (Time Table) تشکیل دینا تنظیمِ وقت کا بنیادی اصول ہے۔ یہ انسان کو نظم وضبط کا پابند بناتا اور اس میں وقت کی پابندی، باقاعدگی اور یکسوئی جیسی عادات پیدا کرتا ہے۔[9]

حضور نبی اکرم (ﷺ) مختلف اوقات میں مختلف کام سرانجام دیتے جس کا مقصد صحیح وقت پر صحیح طریقے سے وہ کام کرنا تھا۔ اگر تمام امور ایک ہی وقت میں سرانجام دیے جاتے تو اُمت کیلئے ان پر عمل پیرا ہونے کے لحاظ سے ایک مشکل مثال قائم ہو جاتی۔ اس لیے آقا پاک (ﷺ) نے

[4] Time Management and Excellence Achievement in As-Sunnah An-Nabawiyyah, Amen Hajy MohammedAmen-Arif Ali Arif
[5] TIME MANAGEMENT IN THE LIFE OF THE PROPHET MUHAMMAD, YUKSEL A. ASLANDOGAN
[6] ایضاً
[7] Maximize Use of Your Time with These Tips from the Seerah, Mohammed Faris
[8] حضور نبی اکرم (ﷺ) کی "Daily Routine" کی تفصیل جاننے کیلئے دیکھئے:
Daily Routi1ne of the Holy Prophet (SAW), Syed Abdul Ghaffar Bukhari, Abida Iqbal
[9] Why Is It Important to Have a Timetable?, By Ramraj Saini

مختلف اوقات میں کاموں کی تقسیم فرمائی تاکہ وقت بھی ضائع نہ ہو اور تمام کام بطریق احسن تکمیل پاجائیں۔[10]

امام ترمذی (رحمۃ اللہ علیہ) نے "شمائل ترمذی" میں سید الشہداء امام عالی مقام حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے حضور نبی کریم (ﷺ) کے روزمرہ کے معمولات اور شب و روز کی مصروفیات کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

"حضور نبی کریم (ﷺ) نے اپنے گھر کے اوقات اور معمولات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ وقت کا ایک حصہ اپنے ذاتی کاموں پر صرف کرتے تھے، دوسرا حصہ گھر والوں کے لیے مخصوص ہوتا تھا اور تیسرا حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ہوتا تھا"۔

اپنے اوقات کو کیسے تقسیم کیا جائے؟

حضور نبی کریم (ﷺ) نے اوقات کی تنظیم اور تقسیم کیلئے صحف ابراہیمؑ (سیدنا حضرت ابراہیمؑ پر نازل کردہ آسمانی صحیفہ جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر آیا ہے) کی تعلیمات کچھ اس طرح ارشاد فرمائی ہیں:

"عقل مند آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کرے، ایک حصہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کیلئے، دوسرا احتسابِ نفس کیلئے، تیسرا اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں غور و فکر کیلئے اور چوتھا حصہ اپنے کھانے پینے کی ضروریات کیلئے خاص کرے"۔

مقاصد و ترجیحات کا قیام:

مقاصد و ترجیحات کا تعین تنظیمِ وقت میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اگر کسی شخص کے سامنے کوئی مشن و مقصد ہو گا تو وہ اپنے مقصد کے حصول کی جستجو میں ایک لمحہ بھی ضائع کرنا گوارا نہیں کرے گا بلکہ اس کیلئے وقت کو بہتر طریقے سے منظم کرے گا۔ تنظیمِ وقت میں مقصد و ترجیحات کا یہ عنصر رسول اکرم (ﷺ) کی حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) کو کی گئی اس نصیحت میں واضح نظر آتا ہے کہ انہیں جب یمن بھیجا، تو ان سے فرمایا:

"تم ایک ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ اس لیے جب تم وہاں پہنچو تو پہلے انہیں دعوت دو کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے سچے رسول ہیں۔ وہ اس بات میں جب تمہاری بات مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر روزانہ دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ دینا ضروری قرار دیا ہے، یہ ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے غریبوں پر خرچ کی جائے گی۔ پھر جب وہ اس میں بھی تمہاری بات مان لیں تو ان کے اچھے مال لینے سے بچو اور مظلوم کی آہ سے ڈرو کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی"۔[11]

مذکور حدیث میں آقا پاک (ﷺ) نے حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) کو ان کے مشن و مقصد اور ترجیحات کے قیام کے متعلق آگاہ فرمایا ہے تاکہ وہ اپنا فریضہ مؤثر و کارگر طریقے سے انجام دے سکیں۔[12]

وقت کی صحیح منصوبہ بندی:

زندگی کے میدان میں انسان کی کامیابی کیلئے جو امور شرط کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں سے ایک منصوبہ بندی بھی ہے جس کا مطلب ہے کہ کیا کیا جائے، کیسے کیا جائے، کس کے ذریعے کیا جائے اور کس کی نگرانی میں کیا جائے وغیرہ۔[13] اس کا ایک مطلب وقت کو اپنی پسند اور خواہش کے مطابق ترتیب دینا بھی ہے۔ منصوبہ بندی ہمیں زندگی پہ قابو پانے کا شعور دیتی ہے[14] اور تنظیم وقت کیلئے منظم منصوبہ بندی کو ایک بنیادی جزو کے طور پہ دیکھا جاتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ منصوبہ

[10]Daily Routi1ne of the Holy Prophet (SAW), Syed Abdul Ghaffar Bukhari, Abida Iqbal

[11] صحیح البخاری، رقم الحدیث:1496

[12]Time Management from Islamic and Administrative Perspective - Dr. Khalid Al-Jeraisy
[13]Vol 1 No 2 (2018): UNIVERSITY OF CHITRAL, JOURNAL OF RELIGIOUS STUDIES (UOCHJRS)
[14]Effective time management – selected issues, Aneta Olejniczak, M.Sc. Institute of Aviation, Poland

بندی کے بغیر وقت صرف کرنا ایسا ہی جیسے بجٹ بنائے بغیر پیسے خرچ کرنا- برائن ٹریسی (Brian Tracy) کہتا کہ:

"1 minute of planning things saves ten minutes of doing things".[15]

"چیزوں کی منصوبہ بندی میں صرف کیا گیا 1 منٹ وہ چیزیں کرنے کے لیے 10 منٹ بچاتا ہے"-

زندگی کے ہر معاملے میں پہلے سے سوچنا اور اس کی منصوبہ بندی کرنا نہ صرف حکمت کا حصہ بلکہ سنتِ نبوی (ﷺ) ہے-[16] حضور نبی اکرم (ﷺ) کی مبارک زندگی سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ (ﷺ) نے کوئی بھی کام بغیر منصوبہ بندی کے نہیں کیا بلکہ دینی و دنیاوی امور دونوں میں محکم منصوبہ بندی کو اپنایا- مثلاً ہجرتِ مدینہ کے دوران سفر کیلئے مناسب سواری کا انتظام، غارِ ثور میں قیام کا فیصلہ، راشن کا بندوبست، قریش اور مشرکین کے حالات سے باخبر رہنے کیلئے عبد اللہ بن ابی بکر (رضی اللہ عنہ) کو مکہ مکرمہ میں چھوڑنا، مدینہ طیبہ پہنچ کر مسجد نبوی کی تعمیر کا فیصلہ کرنا اور مہاجرین کے مسائل حل کرنے کیلئے لائحہ عمل تشکیل دینے کے علاوہ غزوات و سرایا کی حکمت عملی جیسے اقدامات سیرت النبی (ﷺ) میں منصوبہ بندی کی عمدہ امثال و نظائر کے طور پر پیش کی جاتی ہیں-[17] اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی ضیاعِ وقت سے بچنے کیلئے کام کی پیشگی منصوبہ بندی کی تلقین کی گئی ہے- جیسا کہ شجر کاری کی اہمیت کے حوالے سے رسول اکرم (ﷺ) کا یہ ارشادِ گرامی طویل المدتی اور دوررس منصوبہ بندی کی خوبصورت مثال ہے:

"اگر قیامت کی گھڑی آجائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودا ہے اور وہ اس کو لگا سکتا ہے تو لگائے بغیر کھڑا نہ ہو"-[18]

وقت کی مؤثر تنظیم کیلئے نماز کی بروقت ادائیگی:

حضرت عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اکرم (ﷺ) کی بارگاہ میں عرض کی کہ اللہ رب العزت کے ہاں کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا:

"مقررہ وقت پر نماز پڑھنا"-[19]

نماز ایک ایسا منفرد اور مثالی عمل ہے جو کسی مسلمان کو وقت کی پابندی اور بروقت کام کی ترغیب دیتا ہے جس سے اُس کے نظم وضبط (Self-Discipline) اور وقت کو منظم و مؤثر بنانے کی صلاحیت میں حیرت انگیز اضافہ ہوتا ہے- ہر نماز کیلئے مختص نظام الاوقات پر عمل پیرا ہو کر روزہ مرہ کا ایسا معمول بنایا جاسکتا ہے جو وقت کو نتیجہ خیز بنانے میں معاون ثابت ہوتا ہے- اسی لیے سیرت رسول (ﷺ) میں ایک مسلمان کو اپنے اوقاتِ کار نماز پنجگانہ کے گرد تشکیل دینے پر زور دیا گیا ہے کیونکہ ایک مسلمان کے لیے نماز سے بڑھ کر تنظیم وقت پر کاربند رہنے کا کوئی مؤثر ذریعہ نہیں ہو سکتا-

ٹال مٹول کی عادت سے اجتناب: (Procrastination)

تنظیمِ وقت نہ ہونے کی وجہ سے بعض دفعہ انسان وقت ہوتے ہوئے اور یہ حقیقت "آج نہیں تو کبھی نہیں" جاننے کے باوجود بھی تساہل، پھر کبھی، آئندہ کرلوں گا تاخیر و ٹال مٹول (Procrastination) کی روش اپنا لیتا ہے جس سے اہم و ضروری نوعیت کی شخصی، پیشہ ورانہ یا سماجی ذمہ داریاں التواء کا شکار ہو جاتی ہیں- ٹائم مینجمنٹ کے ماہر آر ایلک میکنزی (R. Alec MacKenzie) نے اپنی مشہور کتاب:

"The Time Trap: The Classic Book on Time Management"

میں کاہلی یا ٹال مٹول کی عادت کو کامیابی کیلئے زہر قرار دیا ہے-

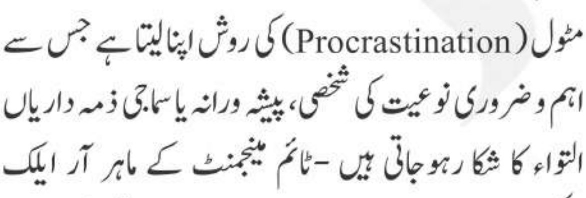

[15]Abid

[16] آج نہیں تو کبھی نہیں، سستی، کاہلی اور تن آسانی؛ تعارف، وجوہات اور علاج، محمد بشیر جمعہ

[17]Vol 1 No 2 (2018): UNIVERSITY OF CHITRAL, JOURNAL OF RELIGIOUS STUDIES (UOCHJRS)

[18] مسند احمد بن حنبل

[19] صحیح البخاری، رقم الحدیث: 527

آقا کریم (ﷺ) نے اپنی اُمت کو سستی و کاہلی اور ٹال مٹول سے سخت منع کیا ہے - حتیٰ کہ صحیح بخاری میں آپ (ﷺ) کی ایک مشہور دعا منقول ہے جس میں آپ (ﷺ) نے سستی و کاہلی سے اللہ کی پناہ مانگی ہے - قرآن مجید (سورۃ آل عمران) میں اہلِ یمان کو سستی و غفلت سے صریحاً منع کیا گیا ہے- مزید احادیث مبارکہ میں مستقل مزاجی اپناتے ہوئے تواتر و تسلسل سے کام کرنے کی تلقین کی گئی ہے- اس کے علاوہ حضرت عمرو بن میمون اودیؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو (1) اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے ،(2) اپنی صحت کو اپنے مرض سے پہلے ، (3) اپنے مال دار ہونے کو اپنی محتاجی سے پہلے، (4) اپنی فراغت کو اپنی مصروفیت سے پہلے اور (5) اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے "-[20]

مذکورہ حدیث وقت کے مؤثر استعمال اور کام میں بلاوجہ تاخیر سے اجتناب کی اہمیت پر زور دیتی ہے- اس کے علاوہ یہ ہمای زندگی کی محدودیت کی طرف بھی اشارہ کرتی کہ وقت برق رفتاری سے گزر رہاہے اور ہر لمحہ انسان موت کے قریب ہو رہاہے، اس لیے ہمیں اس مختصر سی زندگی میں اپنے اوقات کو غفلت و سستی میں ضائع کرنے کی بجائے اعمال صالح اور رضائے الٰہی کیلئے وقف کرنا ہے-

لوگ نعمتِ وقت کی قدر نہیں کرتے:

حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان کی قدر نہیں کرتے، صحت اور فراغت "-[21]

اس صریح فرمان کے باجود انسانوں کی ایک کثیر تعداد ضیاعِ وقت میں مصروف ہے جو سوائے قوموں کی تباہی اور نقصان کے اور کچھ نہیں-

مذکوہ حدیث مبارکہ کے ضمن میں بعض صالحین کا قول ہے کہ فراغتِ وقت ایک عظیم نعمت ہے لیکن جب بندہ اس نعمت کی ناقدری کرتا ہے تو وہ اس طرح کے اپنے اوپر خواہشِ نفس کا درواز کھول لیتاہے اور شہوانی خواہشوں کے پیچھے بھاگتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر بے چینی و بے سکونی مسلط کر دیتاہے اور اس کی صفائی قلب کو سلب کر لیتا ہے-[22]

حسنِ اسلام کی علامت:

تنظیمِ وقت کی راہ میں ایک سب سے بڑی رکاوٹ لایعنی اور فضول کام (Distractions) ہیں جو انسان کو بامقصد کاموں سے دور کر دیتے ہیں- یعنی ایسے کام جن کا دنیا اور آخرت میں کہیں بھی کوئی فائدہ نہیں ہونے والا- دین اسلام میں ایسے کاموں کو ترک کرنا اچھے مسلمان اور کامیاب انسان کی نشانی بتلائی گئی ہے-[23]

رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا:

"کسی شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی اور فضول کاموں کو چھوڑ دے "-[24]

اس حدیث میں ایک مسلمان کے حسنِ اسلام کیلئے بڑا واضح پیغام ہے کہ وہ غیر ضروری و بے سود مشاغل (جو ضیاعِ وقت کا سبب ہیں) سے بالکل کنارہ کش ہو اور بہترین کاموں کیلئے اپنے اوقات کی تنظیم کرے- قرآن کریم نے بھی فلاح یافتہ لوگوں کی ایک صفت یہ بتائی ہے کہ "وہ لغو (بے سود بے و بے فائدہ) قول و فعل سے پرہیز کرتے ہیں"-[25]

---

[20] مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق

[21] (صحیح البخاری، کتاب الرقاق)

[22] (علامہ یوسف القرضاوی، الوقت فی حیاۃ المسلم ،)

[23] سیلف مینجمنٹ اور ٹائم مینجمنٹ کامیابی کی کلید، ڈاکٹر محمد یونس خالد

[24] (جامع ترمذی، رقم الحدیث:2317)

زمانے کو برا نہ کہو:

بسا اوقات انسان پر کوئی مشکل یا مصیبت وپریشانی آن پڑے تو وہ گردشِ ایّام کا شکوہ کرنے لگتا ہے یعنی زمانے (وقت) کو برا بھلا کہتا ہے- یہ دورِ جاہلیت میں مشرکین عرب کی روایت تھی کہ ان پر کوئی دکھ یا غم پہنچتا تو وہ کہتے:

"يَاخَيْبَةَ الدَّهْرِ" "ہائے زمانے کی بربادی"-

زمانے کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا گیا ہے- رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان زمانہ کو گالی دیتا ہے حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں، میرے ہی ہاتھ میں رات اور دن ہیں"-[26]

سورۃ الجاثیہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اور بولے وہ تو نہیں مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ اور انہیں اس کا علم نہیں وہ تو نرے گمان دوڑاتے ہیں"-

وقت کی باز پرس ہوگی:

یومِ حساب ہر انسان سے جو بنیادی سوالات پوچھے جائیں گے ان میں سے دو کا تعلق وقت سے ہے- حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"قیامت کے دن کوئی بھی شخص اپنی جگہ سے ہل نہ سکے گا تاآنکہ پانچ سوالوں کا جواب نہ دے لے: عمر کہاں گزاری، جوانی کس کام میں کھپائی، مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا"-[27]

اس حدیث پاک میں وقت اور منازلِ زندگی کی اہمیت پتہ چلتی ہے- خاص طور پر اس میں جوانی کا تذکرہ ہوا ہے کیونکہ جوانی میں انسان عمر کے باقی حصوں کی نسبت زیادہ صحت مند اور تندرست و توانا ہوتا ہے- اس لئے جوانی میں انسان جو کام سر انجام دے سکتا ہے وہ بڑھاپے میں ممکن نہیں- جوانی کی عبادت کا اجر بھی زیادہ ہے- اس لیے اوقاتِ جوانی کے متعلق ہر مسلمان سے خصوصی طور پر سوال کیا جائے گا- یہ حدیث ہر مسلمان نوجوان کو سبق دیتی ہے کہ وہ اپنی جوانی اطاعتِ مصطفٰے (ﷺ) اور امورِ خیر میں صرف کرے تاکہ وہ خوشنودی ورضائے الٰہی کو پا سکے-

مذکورہ بیان سیرتِ رسول (ﷺ) اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں وقت شناسی و تنظیم وقت کی محض ایک جھلک ہے- مزید سیرت النبی (ﷺ) کے کئی گوشے ایسے ہیں (خوفِ طوالت کے پیشِ نظر جن پر بات نہیں کی جا سکتی) جن سے بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر حیاتِ انسانی میں وقت کی قدر و قیمت اور تنظیمِ وقت کا درس ملتا ہے-

درج بالا بحث سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیرت النبی (ﷺ) میں تنظیم وقت کے رہنما اصول ایک کامیاب اور متوازن زندگی کی ضمانت ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر جدید دور میں نہ صرف معیارِ زندگی بہتر بنایا جا سکتا ہے بلکہ کاروباری و تنظیمی سطح پر ان تمام مسائل سے نمٹا جا سکتا ہے جو تنظیمِ وقت کی راہ میں حائل ہیں- لیکن صد افسوس کہ اسوۂ رسول (ﷺ) میں وقت کی اہمیت اور تنظیمِ وقت کی اس قدر تاکید کے باجود آج مسلم معاشروں میں ٹائم مینجمنٹ کلچر اور وقت کے مثبت استعمال کا شدید فقدان پایا جاتا ہے جو بطور اُمت ہماری تنزلی اور ترقی یافتہ اقوام کی صف میں کھڑا نہ ہونے کا ایک بڑا سبب ہے جبکہ دوسری طرف وقت کی قدر کرنے والی اور اس کا بہتر استعمال کرنے والی قومیں اوج ثریا پہ مقیم ہیں- بطور قوم ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم کوئی بھی کام یا فریضہ پھر چاہے وہ دینی ہو یا دنیاوی بروقت انجام نہیں دیتے بلکہ وقت کو ایک بے وقعت چیز سمجھتے ہوئے تن آسانی و تساہل پسندی میں ضائع کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ ہمیں ناکامیوں اور محرومیوں کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے- آج ہر مسلمان پر لازم ہے کہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں سیرت لنبی (ﷺ) کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے تاکہ وہ اپنے کارِ حیات مثبت و مؤثر طریقے سے انجام دے سکے-

☆☆☆

[26](صحیح البخاری، کتاب الادب)

[27](سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، باب فی القیامۃ)

ربطِ عام

پروفیسر جوئل ہیورڈ(Joel Hayward) کی کتاب

حضرت محمد ﷺ کی قیادت

The Leadership of Muhammad P.B.U.H

سے منتخب متن کا ترجمہ

جوئل ہیورڈ
مترجم/ذیشان القادری

بلاشبہ حضرت محمد (ﷺ) ربطِ عام رکھتے۔ربطِ عام سے مراد تمام شعبہ ہائے زندگی کے عام لوگوں سے تعلق اور انہیں راغب کرنے کی صلاحیت ہے اور یہ بطورِ قائد آپ کے لیے مرکزی حیثیت رکھتی تھی۔لوگ آپ کی پیروی کرنا پسند کرتے کیوں کہ وہ آپ سے ایک گہرا تعلق محسوس کرتے۔وہ جانتے تھے کہ آپ بلاشبہ مختلف ہیں۔ آپ انتہائی محتاط راست طرزِ عمل کے ساتھ ایک پیغمبر اور ایک قائد تھے لیکن آپ نے کبھی (دوسروں پر) برتری کا تاثر قائم نہ کیا اور بہت پہلوؤں میں عام دل چسپیوں کے ساتھ ایک نارمل انسان دکھائی دیتے جو دیگر لوگوں کی طرح بہت سی چیزوں پر مسکرائے اور غمگین ہو اور پسند وناپسند رکھے۔

مثال کے طور پر روایت ہے کہ آپ نے کُشتی کی تعریف فرمائی اور اپنی بڑی عمر مبارک میں اس سے بھرپور لطف اٹھایا جسے بالکل ایک دنیوی سرگرمی کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ پچاس برس کی عمر مبارک میں آپ کا سامنا قبیلہ قریش کے مضبوط ترین فرد رکانہ ابن ابویزید ابن ہاشم ابن عبدالمطلب ابن عبد مناف سے ہوا۔ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔رکانہ نے آپ کے دینِ حق کے پیغام کی حقانیت جاننا چاہی۔یہ طے ہوا کہ اگر حضور اسے کشتی میں پچھاڑ دیں تو وہ آپ کی دعوت اسلام کو قبول کر لے گا۔ آپ نے اسے کشتی میں دونوں مرتبہ پچھاڑ دیا جس پر وہ ششدر رہ گیا۔ آج کے بہت سارے مسلمانوں کو اِس قصے کا کم علم ہے جب کہ ایک مشہور حدیث زیادہ معلوم ہے جو کہ حضور کی روزمرہ کی اشیاء سے اخلاقی وروحانی آگہی بخشنے پر مبنی ہے کہ پہلوان وہ نہیں جو

کشتی میں غالب آجائے بلکہ اصلی پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پائے۔

آقا کریم (ﷺ) نے گھوڑے اور اونٹ کی دوڑ بھی لگائی اور اسی طرح عوامی مقابلہ جات کا انعقاد بھی کیا اور بعض اوقات انعامی رقم اپنے ہاں سے عطا فرمائی۔ تربیت یافتہ گھوڑے حفیاء اور الوداع کے مابین چھ میل دوڑتے تھے جب کہ غیر تربیت یافتہ گھوڑے ثنیۃ الوادع اور بنو زریق کی مسجد کے مابین ایک میل دوڑتے تھے۔ بعد میں حضور نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا کہ مَیں گھڑ دوڑ کے مقابلہ میں شامل تھا، چنانچہ میرا گھوڑا مجھے لے کر ایک دیوار پھلانگ گیا۔ ایک حدیث مبارک ایسے مقابلوں کے ماحول کی منظر کشی کرتی ہے۔

حضور نبی کریم (ﷺ) کی ایک اونٹنی عضباء تھی جسے مقابلہ میں پچھاڑنا قریباً ناممکن تھا۔ پھر ایک دیہاتی اپنے ایک اونٹ پر سوار ہو کر آیا جو اس (اونٹنی) سے چھ سال چھوٹا تھا۔ مقابلے میں یہ اونٹ اس اونٹنی (عضباء) سے آگے نکل گیا اور مسلمانوں پر نتیجہ بڑا شاق گزرا۔ حضور نبی کریم (ﷺ) کے سامنے یہ بات آئی تو آپ (ﷺ) نے (انہیں سمجھانے کے لیے) فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ جو چیز بھی بلند ہوتی ہے وہ اسے پست کر دیتا ہے“۔

حضور نے تیر اندازی کو پرلطف اور فائدہ مند مشغلہ قرار دیا جسے نوجوانوں کو سیکھنا چاہیئے۔ آپ نے خود بھی اسے اپنایا اور اپنی حیات طیبہ میں اسے اپنایا۔

آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ تیر اندازی کرو اور گھڑ سواری کیا کرو اور تمہارا تیر اندازی کرنا مجھے (گھڑ سواری سے) زیادہ محبوب ہے۔مسلمانوں کے لیے لہو دنیا میں مشغول ہونا ناجائز ہے مگر تیر اندازی، گھوڑے کی تربیت اور بیوی کے ساتھ اچھا وقت گزارنے کے کہ یہ برحق ہیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے یہ بھی فرمایا کہ جس نے تیر اندازی کا فن سیکھا، پھر اس سے بیزار ہو گیا اور اسے ترک کر دیا تو یہ ایک نعمت تھی جس کی اس نے ناشکری کی۔

قدرتی طور پر تیر اندازی کا ایک واضح فائدہ تھا۔ عرب جنگوں میں تیر سے لگے زخم تلواروں اور نیزوں سے زیادہ لوگوں کو قتل اور معذور بناتے۔ جنگ کی تیاری میں آپ نے ایک بار ترغیب فرمائی کہ زیادہ سے زیادہ قوت سے جمع کر کے دشمن کا سامنا کرو۔ جان لو کہ قوت تیر اندازی میں ہے۔ جان لو کہ قوت تیر اندازی میں ہے۔ جان لو کہ قوت تیر اندازی میں ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی تیر اندازی کی مشق ترک نہ کرے۔

گھڑ دوڑ اور تیر اندازی میں پائے جانے والی مہارت، تربیت اور ان اہم عسکری سرگرمیوں میں کمال کی نمو کے بے پناہ معاشرتی فوائد پر حضور نے ان سرگرمیوں کی علیحدہ حیثیت رکھی۔ ایک حدیث مبارک میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مطابق صرف اونٹ بھگانے میں، گھوڑے دوڑانے میں اور تیر اندازی میں انعام واکرام جائز ہے۔

حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے وجدانی طور پر یہ جانا کہ آپ کا دوسروں سے ایک مؤثر قائد اور کارکن کے تعلق کو پیدا کرنا ایک مساوی معاشرے (Egalitarian Society) کی تشکیل کے لیے ضروری ہے جس میں ہر کوئی ترقی کرتی خوشحال ریاست سے فائدہ اٹھائے جس میں آپ جلوہ گر ہوں اور سب کی آپ تک رسائی ہو۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے نزدیک تعلق کی بہت اہمیت ہے۔ آپ گلی سے گزرتے ہوئے ہر ایک سے ملتے حتیٰ کہ کھیلتے ہوئے بچوں سے بھی اور ہر ایک کسی کو خاص کر کمزور اور غریب لوگوں کو وقت عطا فرماتے۔

ایک مرتبہ ایک خاتون جس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں تھا اس نے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے عرض کی کہ آپ باہر تشریف لا کر اس کی بات سن لیں۔ اس کے کہنے کے مطابق آپ نے اس سے بات فرمائی اور کھڑے ہو کر اس کا مسئلہ سماعت فرماتے رہے۔

اسی طرح جب ایک بدو نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو مسلمان غصے ہوئے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے انہیں اسے تکلیف پہنچانے یا روکنے سے منع کیا۔ آپ نے خود پانی کا ڈول منگوا کر اور اس کی جگہ پر بہایا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اپنے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے فرمایا کہ انہیں چیزیں مشکل کی بجائے آسان بنانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے بدو کو آرام سے سمجھایا۔ بدو نے کہا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر میرے ماں باپ قربان ہوں کہ آپ اٹھ کر میرے پاس تشریف لائے۔ آپ نے ملامت فرمائی نہ ہی تنقید فرمائی بلکہ صرف یہ کہا کہ مسجد پیشاب کرنے کی جگہ نہیں بلکہ یہ اللہ کی یاد اور نماز کے لیے بنائی گئی ہے۔

حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بچوں سے خصوصی شفقت فرماتے اور اکثر اوقات ان سے کھیلتے اور اپنے کندھوں پر سوار فرماتے۔ ایک بار اپنے منبر سے صحابہ سے خطاب فرما رہے تھے کہ آپ کے نواسے حسنین کریمین صغر سنی سے چل رہے تھے۔ آپ نیچے تشریف لائے، انہیں اٹھایا اور لے کر واپس منبر پر تشریف لے آئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اپنی نواسی حضرت اُمامہ (رضی اللہ عنہا) بھی بہت پیاری تھیں اور ایک مرتبہ باجماعت نماز کے دوران ان پر لطف وشفقت فرمائی۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے لوگوں کو نماز پڑھائی جبکہ آپ ان کے کندھے پر تھیں جب آپ سجدہ کرتے تو انہیں (زمین پر) بٹھا دیتے تھے جب آپ کھڑے ہوتے تو انہیں اٹھا لیتے، آپ نے اسی طرح نماز ختم فرمائی۔

حضرت انس ابن مالک (رضی اللہ عنہ) کے ننھے بھائی ابو عمیر کو دیکھا کہ وہ ایک پالتو پرندے سے محبت کرتے ہیں۔ ان سے حضور ہر بار پرندے سے متعلق استفسار فرماتے۔ یہ افعال صحابہ کرام کے دلوں پر جاگزیں ہوئے کہ اسلام ہر ایک کیلئے ہے حتیٰ کہ معاشرے کے بالکل غیر اہم اور بے قدر لوگوں کا بھی حضور نے خیال رکھا اور یوں ایک حقیقی ربطِ عام تھا۔

☆☆☆

دورِ جدید میں سمارٹ ورک اور ملٹی ٹاسکنگ کا رجحان

سیرۃ النبی ﷺ کے تناظر میں

غلام یٰسین

سمارٹ ورک کا تعارف:

سمارٹ ورک (Smart Work) وہ طریقہ کار ہے جس میں کم وقت اور کم محنت سے زیادہ بہتر نتائج حاصل کیے جائیں- اس میں ذہانت حکمت عملی جدید ٹکنالوجی اور موثر منصوبہ بندی کے ساتھ کام کو انجام دیا جاتا ہے- سمارٹ ورک کا مقصد کام کو مؤثر طریقے سے انجام دے کر وقت توانائی اور وسائل کی بچت کرنا ہوتا ہے-

Definition of Smart work:

"Smart working involves adopting efficient methods to accomplish tasks. It emphasizes strategic planning, effective time management, and making informed choices to enhance better results with less effort".[1]

"سمارٹ ورکنگ میں کاموں کو پورا کرنے کے لیے موثر طریقہ اختیار کرنا شامل ہے- موثر وقت کے انتظام اور کم محنت کے ساتھ بہتر نتائج کو بڑھانے کے لیے بہتر انتخاب کرنے پر یہ اسٹریٹیجک منصوبہ بندی پر زور دیتا ہے"-

سمارٹ ورک کے اہم عناصر:

a) منصوبہ بندی:

کام کو انجام دینے سے پہلے مکمل منصوبہ بندی کرنا تاکہ کام کو مؤثر طریقے سے انجام دیا جاسکے اور احسن طریقے سے کام مکمل ہو سکے-

b) ترجیحات کا تعین:

کوئی بھی کام کرنے سے پہلے ترجیحات کا تعین بہت ہی ضروری عمل ہے کہ اہم کاموں کو پہلے اور کم اہمیت والے کاموں کو بعد میں انجام دینا تاکہ وقت اور وسائل کا بہترین استعمال ہو-

c) جدید ٹکنالوجی کا استعمال:

جدید ٹکنالوجی اور اوزاروں کا استعمال کرنا تاکہ کام کی رفتار اور معیار بہتر ہو سکے-

d) کاموں کی تفویض:

مختلف کاموں کو مختلف لوگوں میں بانٹنا تاکہ ہر کام ماہرین کے ذریعے انجام دیا جاسکے اور کام کا معیار بہتر ہو سکے-

e) صحت کا خیال:

کام کرتے وقت اپنی صحت کا خیال لازمی رکھنا چاہیے- کام کے دوران وقفے لینا اور صحت کا خیال رکھنا تاکہ زیادہ پیداواری صلاحیت حاصل ہو سکے-

سمارٹ ورک کی مثالیں:

I. کاروباری دنیا میں:

مینیجرز اور ٹیم لیڈرز اپنے ٹیم کے کام کو منظم طریقے سے تقسیم کرتے ہیں جدید سافٹ ویئرز اور ٹولز کا استعمال کرتے ہیں اور منصوبوں کو مؤثر طریقے سے مکمل کرتے ہیں-

II. تعلیم میں:

طلباء سمارٹ اسٹڈی تکنیکس جیسے کہ مائنڈ میپنگ، فلش کارڈز اور آن لائن ریسرچ کا استعمال کرتے ہوئے بہتر نتائج حاصل کرتے ہیں-

III. گھر کے کاموں میں:

گھریلو کاموں کو منظم طریقے سے کرنا، روزانہ کے کاموں کی فہرست بنانا اور ٹائم مینجمنٹ کا استعمال کر کے گھریلو زندگی کو آسان بنایا جاسکتا ہے- سمارٹ ورک کے ذریعے ہم اپنی زندگی میں بہتری لاسکتے ہیں وقت اور وسائل کی بچت کر سکتے ہیں اور زیادہ مؤثر طریقے سے اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں-

[1]https://www.ox.ac.uk

ملٹی ٹاسکنگ (Multitasking) کی تعریف:

ملٹی ٹاسکنگ اس عمل کو کہتے ہیں جس میں ایک وقت میں متعدد کاموں یا سرگرمیوں کو بیک وقت انجام دینے کی کوشش کی جاتی ہے یہ صلاحیت کسی بھی فرد کو ایک ہی وقت میں مختلف کاموں کے درمیان سوئچ کرنے اور انہیں مکمل کرنے کی اجازت دیتی ہے۔

ملٹی ٹاسکنگ کے اہم عناصر:

a) **کاموں کا توازن:**

ایک وقت میں مختلف کاموں کو متوازن طریقے سے انجام دینا

b) **توجہ کی تقسیم:**

مختلف کاموں کے درمیان اپنی توجہ کو تقسیم کرنا اور ہر کام پر وقتی توجہ مرکوز کرنا۔

c) **یادداشت:**

مختلف کاموں کے دوران اپنی یادداشت کو استعمال کرنا تاکہ ہر کام کی معلومات محفوظ رہ سکے۔

ملٹی ٹاسکنگ کی مثالیں:

I. **کاروباری دنیا میں:**

ایک مینیجر مختلف پروجیکٹس، میٹنگز، ای میلز اور دیگر ذمہ داریوں کو ایک ساتھ سنبھال سکتا ہے۔

II. **تعلیم میں:**

طلباء ایک وقت میں مختلف مضامین کا مطالعہ کر سکتے ہیں، اسائنمنٹس پر کام کر سکتے ہیں اور ساتھ ساتھ امتحانات کی تیاری بھی کر سکتے ہیں۔

III. **گھر کے کاموں میں:**

والدین ایک ہی وقت میں کئی کام کرتے ہیں، گھر کے کام کے ساتھ بچوں کا خیال رکھتے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھتے ہیں اور اپنے فرائض بھی بخوبی انجام دیتے ہیں۔

سیرۃ النبی (ﷺ) کی ضرورت واہمیت:

سیرۃ النبی (ﷺ) کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے اور قیامت تک رہے گی۔ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ"[2]

"جس نے اطاعت کی رسول (ﷺ) کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔

"يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًاۙ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا"[3]

"اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔ اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور (تاقیامت مسلسل) چمکا دینے والا آفتاب"۔

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"[4]

"بیشک تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے"۔

عصر حاضر میں سمارٹ ورک اور ملٹی ٹاسکنگ سیرۃ النبی (ﷺ) کے تناظر میں:

حضور نبی کریم (ﷺ) کی سیرت طیبہ میں بہت سے ایسے اصول اور طریقے ملتے ہیں جو آج کے دور میں سمارٹ ورک اور ملٹی ٹاسکنگ کے لیے رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

وقت کی قدر:

رسول اللہ (ﷺ) نے وقت کی اہمیت کو بہت زیادہ سمجھا اور اپنی امت کو بھی وقت کی قدر کرنے کی تلقین کی۔ جدید دور کے سمارٹ ورک میں بھی وقت کی بہترین تقسیم اور استعمال پر زور دیا جاتا ہے۔ وقت کو ضائع کئے بغیر مؤثر طریقے کے استعمال کرنا آپ (ﷺ) کی سنت ہے۔

وقت کی قدر حدیث مبارک کی روشنی میں:

احادیث مبارکہ میں وقت کی قدر کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہاں کچھ اہم احادیث وقت کے حوالے سے بیان کی گئی ہیں۔

1۔ "دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی لوگ قدر کرتے ہیں: صحت اور فراغت"۔[5]

2۔ "پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، اپنی صحت کو بیماری سے پہلے اپنی دولت کو غربت سے پہلے اپنی فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے"۔[6]

---

[2] (النساء:80)

[3] (الاحزاب:45-46)

[4] (الاحزاب:21)

[5] (صحیح بخاری، کتاب الرقاق)

[6] (المستدرک الحاکم، رقم الحدیث:7846)

3-"اے اللہ میری امت کے صبح کے وقت میں برکت دے"-[7]

کاموں کی منصوبہ بندی:

کاموں کی منصوبہ بندی سمارٹ اور ملٹی ٹاسکنگ کا ایک اہم عنصر ہے- آقا کریم (ﷺ) نے ہر کام کو بہترین منصوبہ بندی کے ساتھ انجام دیا چاہے وہ جنگ کی حکمت عملی ہو، دعوت و تبلیغ کا کام ہو یا روزمرہ کے معاملات آپ (ﷺ) ہمیشہ ہر کام کو پہلے سے سوچ کر اور منظم طریقے سے کرتے تھے- سمارٹ ورک اور ملٹی ٹاسکنگ میں بھی منصوبہ بندی کی بہت اہمیت ہے-

آپ (ﷺ) کی مختلف امور میں منصوبہ بندی کی تعلیم:

1ھ میں، بعد از ہجرت، سیدی رسول اللہ (ﷺ) نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی، جس میں سینکڑوں صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سمیت 70 صحابہ بطور خاص ہر وقت تحصیلِ علم میں مشغول رہتے- یہ محض مسجد نہ تھی بلکہ ایک مکمل یونیورسٹی تھی جس میں عسکری، ثقافتی، معاشی، عمرانیاتی، سیاسی، سفارتی، قانونی تعلیم بھی دی جاتی اور عملی تربیت بھی- یہ مسجد ایک ریاست کا مرکزی سیکرٹیریٹ تھی یہ مسجد عرب دنیا کی سب سے مصروف اور سب سے قابلِ بھروسہ عدالت تھی اور یہی مسجد جسمانی و روحانی امراض کا شفاخانہ تھی-

سمارٹ ورک اور ملٹی ٹاسکنگ کی مثال اس سے بہتر کیا ہو سکتی ہے کہ یونیورسٹی کا مدرس صرف ایک تھا، وہی ریاست کا سربراہ بھی تھا، عدالت کا منصف بھی اور حکیم و طبیبِ ظاہر و باطن بھی؛ ہمارے آقا کریم (ﷺ)-

عسکری زندگی:

آپ (ﷺ) نے ہر کام منصوبہ بندی سے کیا اس لیے جنگ کے بھی کچھ اصول طے کئے:

1- عسکری تربیت ضروری

2- مقصد فتنہ و فساد کا خاتمہ

3- جہاد فی سبیل اللہ

4- ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد[8]

کاموں کی منصوبہ بندی احادیث مبارکہ کی روشنی میں:

آقا کریم (ﷺ) کی سیرت اور احادیث مبارکہ میں ہمیں کاموں کو ترتیب سے انجام دینے کی رہنمائی ملتی ہے-

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند کرتا ہے کہ جب کوئی کام کرے تو اسے عمدگی کے ساتھ کرے"-[9]

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا"-[10]

کارکردگی میں بہتری:

رسول اللہ (ﷺ) نے ہمیشہ بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور اپنے صحابہ کرام کو بھی بہترین کارگردگی کی ترغیب دی- سمارٹ ورک اور ملٹی ٹاسکنگ کا بھی یہی مطلب ہوتا ہے کم وقت میں زیادہ اور بہتر کیا جائے-

کارکردگی حدیث مبارکہ کی روشنی میں:

اسلامی تعلیمات میں کارکردگی میں بہتری کیلئے، محنت اخلاص اور استقامت پر زور دیا گیا ہے- احادیث مبارکہ میں بھی مختلف مواقع پر کام کرنے کے انداز اور کارکردگی کے متعلق رہنمائی فراہم کی ہے-

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین عمل وہ ہے جو مداومت کے ساتھ کیا جائے خواہ وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو"-[11]

رسول کریم (ﷺ) نے فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے جب تم کوئی کام کرو تو اسے احسن طریقے سے کرو"-[12]

حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

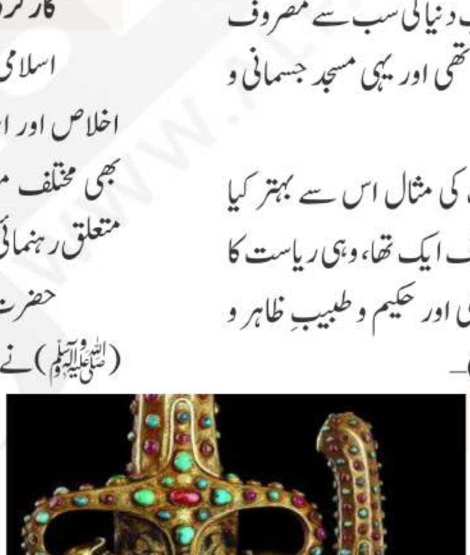

[7](سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات)

[8](ایضاً، ص:345)

[9](صحیح مسلم، کتاب الایمان)

[10](صحیح بخاری، کتاب الادب)

[11](صحیح بخاری، کتاب الرقاق)

[12](المعجم الاوسط الطبرانی، رقم الحدیث:8977)

"تم میں سے کوئی کام کرے تو اسے مضبوط اور محکم کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے جو اپنے کام کو محکم طریقے سے انجام دیتا ہے"-[13]

کام کو اچھے طریقے سے انجام دینا اور محنت کرنا دین اسلام میں ایک پسندیدہ عمل ہے-

متعدد ذمہ داریاں:

حضور نبی اکرم (ﷺ) نے مختلف ذمہ داریوں کو بخوبی نبھایا، آپ (ﷺ) نے ایک ساتھ نبوت، رہنمائی، عدلیہ سفارت اور دیگر کئی ذمہ داریوں کو سنبھالا- ملٹی ٹاسکنگ کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ ایک وقت میں مختلف کاموں کو مؤثر طریقے سے انجام دیا جائے- آپ (ﷺ) سے بہتر ملٹی ٹاسکنگ اور کوئی کر بھی نہیں سکتا-

آپ (ﷺ) کی متعدد ذمہ داریاں قرآن و حدیث کی روشنی میں:

آپ (ﷺ) کی زندگی اور متعدد ذمہ داریاں قرآن و حدیث کی روشنی میں بہت واضح ہیں- یہاں چند اہم ذمہ داریوں کا ذکر کیا گیا ہے-

نبی اور رسول:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ؕ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ"[14]

"اے محبوب بیشک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا، اور جو کوئی گروہ تھا سب میں ایک ڈر سنانے والا گزر چکا"-

مذہبی رہنما:

رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"مجھے مکارم الاخلاق (اچھے اخلاق) کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہے"-[15]

آپ (ﷺ) نے مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی اور مسلمانوں کو دینی رہنمائی فراہم کی، انہوں نے نماز روزہ، زکوۃ اور حج جیسے فرائض کو مسلمانوں تک پہنچایا-

سیاسی قائد:

مدینہ کی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے، آقا کریم (ﷺ) نے حکومتی اور انتظامی امور بھی سنبھالے انہوں نے مختلف قبائل اور لوگوں کے درمیان معاہدات قائم کیے اور انصاف کو فروغ دیا-

قاضی (جج):

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا"[16]

"پس آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ کو اپنے آپس کے جھگڑوں میں حاکم نہ مان لیں اور پھر آپ کے فیصلے سے اپنے دل میں تنگی نہ پائیں اور مکمل طور پر تسلیم نہ کریں"-

خاندانی ذمہ داریاں:

حضور نبی کریم (ﷺ) اپنے خاندان کے سربراہ تھے، آپ (ﷺ) ایک بہترین شوہر، والد اور نانا تھے- آپ (ﷺ) نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ محبت اور احترام کا برتاؤ کیا اور ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی- جیسا کہ "سنن ترمذی" کی حدیث پاک ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ بہترین برتاؤ کرے اور میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ تم سب سے زیادہ بہترین ہوں"-

باہمی تعاون اور تفویض:

حضور نبی کریم (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں میں کام بانٹنے اور سب کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کی- سمارٹ ورک میں بھی ٹیم ورک اور کام کی تفویض کی بڑی اہمیت ہے- آپ (ﷺ) نے بھی اپنے کاموں کو احسن طریقے سے بانٹا جو مندرجہ ذیل ہیں:

[13](شعب الایمان للبیہقی، رقم الحدیث:4932) [14](الفاطر:24) [15](مسند احمد) [16](النساء:65)

آپ (ﷺ) کے وزراء:

- حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ)
- حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ)
- حضرت علی (رضی اللہ عنہ)

آپ (ﷺ) کے رفقاء:

- حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ)
- حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ)
- حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ)
- حضرت عقیل (رضی اللہ عنہ)

مؤذّن:

- حضرت بلال (رضی اللہ عنہ)
- حضرت سعد القرظ (رضی اللہ عنہ)

بازاروں کے نگران:

- حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ)
- حضرت سعد ابن سعید (رضی اللہ عنہ)

مصارف واخراجات کے انچارج:

- حضرت بلال (رضی اللہ عنہ)
- ابو عبیدہ بن جراح (رضی اللہ عنہ)

زکوۃ صدقات وصول کرنے والے عاملین:

- حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ)
- حضرت ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ)
- ابو عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہ)

آپ (ﷺ) کے محافظ:

- حضرت حارث (رضی اللہ عنہ)
- حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ)
- حضرت زبیر بن عوام (رضی اللہ عنہ)
- حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ)

اس طریقہ سے آپ (ﷺ) نے بہت سے کاموں کے لئے مختلف شعبے بنائے اور مختلف لوگوں کو مختلف ذمہ داریاں سونپیں جو کہ اسمارٹ ورک کی بہترین مثال ہے۔

صحت کا خیال:

حضور نبی کریم (ﷺ) نے صحت کا بھی بہت خیال رکھا اور اپنی امت کو بھی صحت مند رہنے کی ہدایت دی۔ سمارٹ ورک میں بھی یہ شامل ہے کہ کام کے دوران اپنی صحت کا خیال

رکھا جائے اور ذہنی وجسمانی سکون کو برقرار رکھا جائے۔

صحت: احادیث مبارکہ کی روشنی میں:

حضرت مقدام بن معدی کرب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”آدمی کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھ سکیں، لیکن اگر زیادہ کھائے بغیر نہ رہے تو ایک تہائی پیٹ کے لیے ایک تہائی پانی کیلئے اور ایک تہائی سانس کیلئے رکھے“۔[17]

حضور نبی کریم (ﷺ) نے جسمانی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی اور خود بھی ان میں مشغول رہے۔ آپ (ﷺ) فرمان مبارک ہے کہ:

”تمہارے جسم کا تم پر حق ہے“۔[18]

ایک اور مقام پر آقا کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”مومن کا طاقتور ہونا کمزور مومن سے بہتر ہے اور اللہ کو طاقتور مؤمن زیادہ پسند ہے“۔[19]

حرفِ آخر:

سمارٹ ورک اور ملٹی ٹاسکنگ کے جدید رجحانات سیرۃ النبی (ﷺ) کے اصولوں اور تعلیمات کے عین مطابق ہیں وقت کی قدر، کاموں کی منصوبہ بندی، کارکردگی میں بہتری، متعدد ذمہ داریاں، باہمی تعاون اور صحت کا خیال جیسے پہلو ہمیں رسول اللہ (ﷺ) کی سیرت سے سیکھنے کو ملتے ہیں جو کہ آج کے دور میں سمارٹ ورک اور ملٹی ٹاسکنگ کی بنیاد ہیں۔

☆☆☆

[17] (سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ)
[18] (صحیح بخاری، کتاب الرقاق)
[19] (صحیح مسلم، کتاب القدر)

تفریح طبع اور جسمانی ورزش
تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

لئیق احمد

تفریح طبع:

جیسا کہ نام سے واضح ہے، تفریح ایک ایسا عمل یا حالت ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ذہنی و جسمانی حالت کو خوشگوار اور مسرور بناتا ہے- تفریح طبع کا مقصد مناسب و جائز حدود میں رہتے ہوئے ایسے مواقع فراہم کرنا ہے جو خوشی اور مسرت کا باعث بنیں اور جو انسان کی ذہنی و جسمانی صحت کے لیے نہایت ضروری ہیں- یہ عمل مختلف سرگرمیوں جیسے کھیل، سیر و سیاحت وغیرہ کے ذریعے انجام دیا جاسکتا ہے-

تفریح کا مفہوم:

تفریح عربی زبان کا لفظ ہے- لغت ”لسان العرب“ میں لکھا ہے:

”فرح غم کا ضد ہے اور یہ دل کا ہلکا پن ہے“-[1]

خوشی اور فرحت و اطمینان ایک اچھی کیفیت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ“[2]

”اور اس دن مؤمن خوش ہوں گے“-

اہمیت:

جائز حدود میں تفریح طبع کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ نہ صرف انسان کی روزمرہ زندگی کی یکسانیت کو ختم کرتی ہے بلکہ اس کی کارکردگی کو بھی بہتر بناتی ہے- تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ افراد جو باقاعدگی سے تفریحی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں، زیادہ خوش باش اور متحرک رہتے ہیں-

تفریح کی مختلف اقسام:

جسمانی تفریح:

جیسے صحت افزاء کھیل کود، ورزش وغیرہ، نہ صرف انسان کو جسمانی طور پر مضبوط بناتی ہیں بلکہ ذہنی سکون بھی فراہم کرتی ہیں-

ذہنی تفریح:

ذہنی مشغولیات، جیسے کتابیں پڑھنا، قرآن سننا نئی چیزیں سیکھنا، شاعری و ادب پڑھنا اور ریاضی اور منطق کے سوالات حل کرنا، دماغی تناؤ کو کم کرتی ہیں اور ذہنی تندرستی میں اضافہ کرتی ہیں-

سماجی تفریح:

دوستوں اور خاندان کے ساتھ وقت گزارنا، تقریبات میں شرکت کرنا اور مختلف سماجی سرگرمیوں میں حصہ لینا انسان کو تنہائی سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کی سماجی زندگی کو بھرپور بناتا ہے-

اسلامی نقطہ نظر:

اسلامی تعلیمات میں بھی تفریح کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے- آقا کریم (ﷺ) کے فرمان مبارک کا مفہوم ہے کہ صحت مند روح کا قیام ایک صحت مند جسم میں ہی ممکن ہے-

تفریحی کھیل اور تعلیماتِ نبوی (ﷺ):

کائنات کی نعمتوں سے استفادہ کرتے ہوئے ایک بہتر زندگی گزارنا سنت رسول (ﷺ) ہے- اسلام زندگی کی دلچسپیوں سے مکمل قطع تعلق کی اجازت نہیں دیتا، کیونکہ اسلام صرف عبادت اور خشیت کا نام نہیں، بلکہ اس میں کھیل، تفریح اور خوشی بھی شامل ہے- رسول اللہ (ﷺ) اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی زندگیاں جہاں عبادت، زہد اور تقویٰ کی مثال ہیں، وہاں خوش دلی اور تفریح کی بھی ایک مثال ہیں- آقا کریم (ﷺ) کی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی تفریحی سرگرمیاں موجود تھیں، جن کا مشاہدہ آپ (ﷺ) نے خود فرمایا- سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں:

---

[1] (ابن منظور محمد بن مکرم، لسان العرب، ج:2، ص:441)

[2] (الروم:4)

"میں گڑیوں کے ساتھ کھیلتی تو کبھی ایسا بھی ہوتا کہ میرے پاس رسول اللہ (ﷺ) آتے اور میرے پاس سہیلیاں ہوتیں تو وہ چلی جاتیں- پھر جب آپ چلے جاتے وہ داخل ہوتیں"-[3]

ایک اور روایت میں حضرت انس (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں:

"ہر سال اہل جاہلیت دو مخصوص دنوں میں کھیلا کرتے- جب رسول اللہ (ﷺ) مدینہ طیبہ تشریف لائے آپ (ﷺ) نے فرمایا: تمہارے بھی دو ہی دن ہیں جن میں کھیلتے ہو-ان دونوں کے بدلے اللہ تعالیٰ نے دو بہتر دنوں کو مقرر فرمایا ہے یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ"-[4]

اسی طرح جب رسول اللہ (ﷺ) مدینہ تشریف لائے تو حبشیوں نے استقبال میں اپنا کھیل پیش کیا - سیدنا انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:

"جب رسول اللہ (ﷺ) مدینہ تشریف لائے تو آپ (ﷺ) کے آنے کی خوشی میں حبشیوں نے برچھیوں کے ساتھ اپنے کھیل کو پیش کیا"-[5]

جسمانی ورزش:

جسمانی ورزش صحت مند زندگی گزارنے کا ایک اہم جزو ہے، جس میں ایسی جسمانی سرگرمیاں شامل ہیں جو جسم کو متحرک کرتی ہیں- اس کے نتیجے میں جسمانی فٹنس، قلبی صحت اور مجموعی صحت میں نمایاں بہتری آتی ہے-

لغوی معنی:

جسمانی ورزش کا لفظی مطلب ہے جسم کی مشقتی حرکت- یہ اصطلاح عموماً ایسی سرگرمیوں کے لیے استعمال ہوتی ہے جو جسم کو فعال اور مضبوط بناتی ہیں-

ضرورت واہمیت:

جسمانی ورزش انسانی صحت کے لیے انتہائی اہم ہے؛ یہ نہ صرف جسمانی بلکہ ذہنی صحت پر بھی مثبت اثرات مرتب کرتی ہے-روزمرہ کی زندگی میں ورزش کرنے سے دل کی صحت میں بہتری آتی ہے، مختلف بیماریوں سے بچاؤ ممکن ہوتا ہے اور انسان ہمیشہ صحت مند رہتا ہے-

جسمانی ورزش کی اقسام:

یروبک ورزش:

اس میں دوڑنا، سائیکل چلانا اور تیراکی شامل ہیں جو دل اور پھیپھڑوں کو صحت مند بناتی ہیں-

انہانسمنٹ ورزش:

انہانسمنٹ ورزش دراصل ایسی ورزشوں اور تکنیکوں کو کہتے ہیں جو جسمانی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں- ان کا مقصد جسمانی قوت، برداشت، لچک اور مجموعی صحت میں اضافہ کرنا ہوتا ہے-

مزاحمتی ورزش:

مزاحمتی ورزش میں وزن اٹھانا جیسی سرگرمیاں شامل ہیں جو جسم کی مضبوطی کے لیے کی جاتی ہیں-

اختلافی ورزش:

کراس فٹ اور HIIT (ہائی اینٹینسٹی انٹرویل ٹریننگ) ایسی ورزشیں ہیں جو جسم کے مختلف حصوں کو مضبوط بنانے کے ساتھ ساتھ سٹمنا اور انڈیورینس کو بڑھاتی بناتی ہیں-

جسمانی ورزش وتعلیمات نبوی (ﷺ):

اسلام میں جسمانی ورزش کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے- حضور نبی کریم (ﷺ) نے اپنی زندگی میں مختلف جسمانی سرگرمیوں میں حصہ لیا اور اپنی امت کو بھی اس کی تعلیم دی- عہد رسالت میں مختلف اقسام کے کھیل کود کے بارے میں روایات ملتی ہیں جو جسمانی ورزش کا ذریعہ بنتے تھے-

فوجی کھیل:

سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں:

"آپ (ﷺ) اپنی چادر سے مجھے پردہ دے رہے تھے اور مَیں مسجد میں حبشیوں کے ہتھیاروں کے کھیل کو دیکھ رہی تھی"-[6]

نشانہ بازی:

نشانہ بازی کی مختلف ادوار میں مختلف شکلیں رہی ہیں، خواہ وہ تیر کے ذریعے ہو یا اس دور میں جدید ہتھیاروں کے ذریعے-

[3](سنن ابو داؤد، کتاب الادب)
[4](سنن نسائی، رقم الحدیث: 15562)
[5](سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: 4923)
[6](صحیح بخاری، کتاب العدین)

اس کی تعلیم کو اجر اور ثواب کا باعث قرار دیا گیا ہے- یہ کھیل نہ صرف جسمانی فوائد فراہم کرتا ہے بلکہ دشمن کے مقابلے میں بھی مفید ثابت ہوتا ہے-

رسول اللہ (ﷺ) نے قوت کی تفسیر تیر اندازی سے کی ہے- آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”خبردار قوت سے مراد تیر اندازی ہے“-[7]

گھڑسواری:

گھڑ سواری انسانی جسم کو ورزش کے ساتھ ساتھ ہمت، جرأت اور بلند حوصلگی کی خصوصیات عطا کرتی ہے- عرب میں گھڑ سواری کو ایک عمدہ تفریحی عمل شمار کیا جاتا تھا، جس کے باقاعدہ مقابلے منعقد ہوتے تھے- گھوڑوں کی دوڑ کے یہ مقابلے مختلف فاصلوں پر ہوتے تھے، جیسے آج کل مختلف میٹروں کی دوڑ ہوتی ہے- رسول اللہ (ﷺ) خود گھوڑوں کی دوڑ کے فاصلوں کو متعین فرماتے تھے-

”رسول اللہ (ﷺ) نے تربیت یافتہ گھوڑوں کیلئے حفیا نامی مقام سے ثنیۃ الوداع کے درمیان 6 میل کی مسافت اور غیر تربیت یافتہ کی مسافت ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک مقرر کی“-[8]

حضور نبی اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”گھڑ سواری کرو، اس سے جسمانی طاقت اور قوت میں اضافہ ہوتا ہے“-[9]

دوڑ:

آج کے دور میں بھی دوڑ، جسمانی ورزش کا سب سے بہترین ذریعہ ہے - رسول اللہ (ﷺ) بھی دوڑ جیسی جسمانی ورزش کے عمل میں شرکت فرماتے-

سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں:

”میں رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ شریک سفر تھی - ہم نے باہم دوڑ لگائی اور میں آگے نکل گئی ایک عرصہ بعد پھر ایک سفر میں ہم نے دوڑ لگائی اس دوڑ میں آپ (ﷺ) نے مجھ پر سبقت حاصل کی آپ (ﷺ) نے یہ بھی فرمایا یہ اس کے بدلہ میں ہے“-[10]

تیراکی:

تیراکی ایک بہترین جسمانی ورزش ہے جو جسم کے تمام اعضاء کو فعال کرتی ہے- رسول اللہ (ﷺ) نے مردوں کو تیراکی کی تلقین فرمائی- تیراکی کے متعلق آپ (ﷺ) کا فرمان مبارک ہے:

”مردِ مؤمن کا بہترین مشغلہ تیراکی جبکہ عورت کا سوت کاتنا ہے“-[11]

آپ (ﷺ) نے نہ صرف مردوں کو تیراکی جیسے عمل کی تلقین کی بلکہ خود بھی تیراکی سیکھی- آپ (ﷺ) نے اپنے تیراکی سیکھنے کے واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

”جب رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے بچپن میں پیش آنے والے واقعہ کا تذکرہ کیا تو بنو نجار کے تالاب پر آپ (ﷺ) کی نظر پڑی تو اسے پہچان لیا- فرمایا میں اس تالاب میں تیرتا اور بچوں کے ساتھ مل کر ان پرندوں کو اڑاتا جو یہاں پر بیٹھ جاتے“-[12]

لہٰذا تیراکی جیسے عمل کو آپ (ﷺ) نے بچپن سے ہی اپنا لیا تھا اور یہ آج کے جدید دور میں بھی ورزش کا اہم ذریعہ ہے-

حرفِ آخر:

دینِ اسلام نے حضرت انسان کیلئے ایک جامع ضابطۂ حیات پیش کیا ہے، جو دنیاوی اور دینی دونوں پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے- حضور نبی کریم (ﷺ) نے اپنی تعلیمات اور سنت کے ذریعے ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی عطا فرمائی، جن میں تفریحِ طبع اور جسمانی ورزش بھی شامل ہیں- آپ (ﷺ) نے اپنی زندگی میں ان دونوں پہلوؤں کا بہترین نمونہ پیش کیا اور اپنی امت کو بھی ان کی ترغیب دی-

اس لئے ضروری ہے کہ ہم حضور نبی کریم (ﷺ) کی ان تعلیمات پر عمل پیرا ہوں اور اپنی زندگی میں تفریح اور ورزش کو شامل کریں- اس طرح نہ صرف ہماری جسمانی اور ذہنی صحت میں بہتری آئے گی بلکہ ہم ایک بہتر اور متوازن زندگی کی طرف قدم بڑھا سکیں گے-

☆☆☆

---

[7] (سنن ترمذی، کتاب التفسیر القرآن)

[8] (صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ)

[9] (سنن نسائی، رقم الحدیث:8917)

[10] (سنن ابو داود، کتاب الجہاد)

[11] (شعب الایمان، رقم الحدیث:824)

[12] (الطبقات الکبریٰ، ج:1، ص:116)

اسفارِ رسول ﷺ

شہلا نور

سیرت رسول (ﷺ) کا ہر پہلو ہی درخشاں و تاباں ہے کیونکہ آپ (ﷺ) اللہ پاک کے مظہر اتم ہیں آپ (ﷺ) کی ذات کریمہ قرآن مجید کی عملی تفسیر اور انسانیت کے لیے کامل نمونہ ہے- مضمون ھٰذا میں سیرت پاک کے ایک انتہائی خوبصورت پہلو پر قلم اٹھانے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے، جس میں تاریخی ترتیب کے لحاظ سے تجارتی، تبلیغی ودعوتی، مہماتی، سفر حج وعمرہ، سفر ہجرت و معراج وغیرہ اسفار رسول (ﷺ) کا ذکر کیا جائے گا- زیر نظر مضمون، اعلانِ نبوت سے قبل و بعد، اسی طرح اعلان نبوت کے بعد کے زمانے کے بھی مکی اور مدنی ادوار کے اسفار پر محیط ہو گا-

پہلا سفر:

مصطفیٰ جانِ رحمت (ﷺ) کے اسفار کا آغاز اس سہانی گھڑی سے ہو جاتا ہے جب آپ (ﷺ) کو ولادتِ پاک کے کچھ دیر بعد حضرت عبد المطلب (رضی اللہ عنہ) سیّدہ آمنہ پاک (رضی اللہ عنہا) کے گھر سے اپنی آغوش میں لے کر بیت اللہ شریف کی زیارت کو لے جاتے ہیں-[1]

سفر رضاعت:

آپ (ﷺ) کو حضرت حلیمہ (رضی اللہ عنہا) رضاعت کے لیے ساتھ لے گئیں اور برکات رسول (ﷺ) سے خوب مستفید ہوئیں - آپ (ﷺ) کی ولادت باسعادت مشہور قول کے مطابق 12 ربیع الاول بمطابق 20 اپریل 571ء کو ہوئی[2] اور یہ سفر آپ (ﷺ) کی ولادت باسعادت کے چند دنوں بعد ہوا-

[1]البصری، عبد الملک بن ہشام،السیرۃ النبویۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، 1410ھ،ج:1،ص:160

[2]ابن سید الناس، محمد بن عبداللّٰہ، عیون الاثر فی فنون المغازي والشمائل والسیر، دار القلم، بیروت، 1414ھ،ج1،ص:33

سفر مدینہ:

577ء میں آپ (ﷺ) کی عمر مبارک چھ برس تھی، سیدہ حضرت بی بی آمنہ (رضی اللہ عنہا) نے آپ (ﷺ) کے ساتھ آپ (ﷺ) کے ننہال کے لیے سفر کیا تا کہ آپ (ﷺ) اپنے ماموں سے ملیں اور اپنے والد کی قبر کی زیارت بھی کریں- یہاں ایک ماہ قیام رہا، یہاں حضور (ﷺ) نے اپنے خزرجی قرابت داروں کے تالاب میں بچوں کے ساتھ تیراکی سیکھی، اسی سفر سے واپسی پر ابواء کے مقام پر حضرت آمنہ (رضی اللہ عنہا) وفات پا گئیں-[3]

سفر یمن:

آپ (ﷺ) نے 10 برس کی عمر میں اپنے چچا زبیر بن عبد المطلب کے ساتھ یمن کا سفر کیا اس سفر کا ایک خاص واقعہ سرکش اونٹ کے حوالے سے ہے جو آنے جانے والوں کو روکتا تھا- حضور نبی کریم (ﷺ) کو پتہ چلا کہ یہ اُونٹ لوگوں کا رستہ روکے ہوئے ہے، تو آپ (ﷺ) اس کی طرف بڑھے جب اُونٹ نے آقا کریم (ﷺ) کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ فوراً بیٹھ گیا اور زمین سے اپنی چھاتی رگڑنے لگا آپ (ﷺ) نے اپنے اُونٹ کو چھوڑا اور اسی اونٹ پر پوری وادی کا سفر طے کیا اور پھر اسے رہا کر دیا-[4]

شام کی جانب پہلا تجارتی سفر:

جب آپ (ﷺ) کی عمر مبارک تقریباً 12 برس ہوئی تو اپنے چچا حضرت ابو طالب کے ہمراہ شام کی جانب تجارتی مقاصد کے لیے بصد اصرار سفر کیا- اس سفر کا اہم واقعہ عیسائی

[3]عیون الاثر فی فنون المغازي والشمائل والسیر،ج:1،ص:47

[4]الشامی، محمد بن یوسف،سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1414ھ،ج:2،ص:139

راہب بحیرا سے ملاقات ہے، اس نے جب آپ (ﷺ) کے حالات و کیفیات کا مشاہدہ کیا- بعد ازیں آپ (ﷺ) سے گفتگو سے مزید معلومات حاصل کیں تو آپ (ﷺ) کے چچا کو خبردار کیا کہ آپکے بھتیجے رسول رب العالمین اور رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں اور انہیں یہودیوں سے خطرہ ہے اس لیے فوری طور پر انہیں واپس لے جائیں-[5]

حرب فجار میں شرکت:

جب آپ (ﷺ) کی عمر مبارک تقریباً پندرہ سے بیس برس کے درمیان تھی تو آپ (ﷺ) نے حروب فجار میں سے ایک جنگ کیلئے اپنے چچاؤں کے ساتھ سفر کیا جس کا ایک فریق بنی کنانہ اور قریش تھے اور دوسرا بنو ہوازن - یہ جنگ مکہ کے قریب ”شرب“ کے مقام پر ہوئی، جنگ میں اس حد تک شرکت کی کہ ترکش سے تیر نکال کر انہیں دیتے تھے-[6]

شام کی جانب دوسرا سفر:

جب آپ (ﷺ) کی عمر مبارک 25 برس ہوئی تو آپ (ﷺ) حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کا سامان تجارت لے کر شام گئے- آپ (ﷺ) کے ساتھ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کا غلام میسرہ بھی تھا- سفر کے دوران بصریٰ میں اسی مقام پر جہاں اس سے قبل چچا ابو طالب کی معیت میں قیام کیا تھا اور بحیریٰ راہب سے ملاقات ہوئی، وہاں اب ایک اور راہب سے ملاقات ہوئی جس کا نام نسطورا تھا- اس راہب نے بھی آپ (ﷺ) کے رسول ہونے کی گواہی دی ، میسرہ نے اس راہب کی باتیں اپنی مالکہ کو بتائیں جنہوں نے ورقہ بن نوفل سے اس کا ذکر کیا-[7]

یمن کی طرف دو سفر:

تجارتی اسفار حضور نبی اکرم (ﷺ) نے حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی وجہ سے کیے، ان میں دو سفر یمن کی طرف بھی تھے، امام حاکم علیہ الرحمہ نے نقل کیا ہے:

”حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے حضور نبی اکرم (ﷺ) کو جرش (یمن کے ایک مقام) کی طرف دو بار تجارت کے لیے اونٹنیوں کے عوض بھیجا“-[8]

بحرین کی طرف سفر:

نبوت سے قبل آپ (ﷺ) کے بحرین کی طرف سفر کرنے کا بھی اشارہ ملتا ہے- بحرین سے وفدِ عبد القیس جب آیا تو آپ (ﷺ) نے اہل وفد سے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہاں کے احوال دریافت فرمائے لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ تو ہمارے ملک کے احوال ہم سے بھی زیادہ جانتے ہیں- آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ: ”ہاں! میں نے تمہارے ملک میں خوب سیر کی ہے“-[9]

یہ وہ اسفار ہیں جو آپ (ﷺ) نے اعلان نبوت سے قبل کیے- بعد از اعلان نبوت آپ (ﷺ) کی توجہ نبوت کی ذمہ داریوں پر مرکوز ہو گئی جس میں سر فہرست تبلیغ و دعوت اسلام تھا- چنانچہ اب آپ (ﷺ) کے اسفار تبلیغی و دعوتی مقاصد کے لیے ہونے لگے- اعلان نبوت کے بعد تجارتی مقاصد کے لیے آپ (ﷺ) کے سفر کرنے کا ثبوت سامنے نہیں آیا- اعلان نبوت کے بعد کے اسفار کو ہم مکی اور مدنی دور میں منقسم کر سکتے ہیں - مکی دور 13 برس جبکہ مدنی دور 10

---

[5] السهيلي، عبدالرحمٰن بن عبدالله، الروض الأنف في شرح السيرة النبوية لابن هشام، دار إحياء التراث العربي، بيروت، 1421ھ، ج:3، ص:140

[6] سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، ج:2، ص:152

[7] الحلبي، علی بن برهان الدين، السيرة الحلبية في سيرة الأمين المأمون، دار الكتب العلميه، بيروت، 1427، ج:1، ص:193

[8] النیسابوری ، الحاكم، محمد بن عبدالله، المستدرک علی الصحيحين، کتاب معرفة الصحابة، ومنهم خديجة بنت خويلد، دار الكتب العلمية-بيروت، 1411ھ، رقم الحديث: 4834

[9] الامام، احمد بن حنبل، مسند أحمد بن حنبل، بقية حديث وفد عبد القيس، مؤسسة الرسالة، 1421ھ، رقم الحديث: 15559

برس پر مشتمل ہے- مکی دور کے اسفار زیادہ تر دعوت و تبلیغ جبکہ مدنی دور کے سفر غزوات وحج وعمرہ کے لیے ہوئے-

ایامِ حج میں تبلیغ کے لیے سفر:

جب حج کے ایام شروع ہونے لگتے اور لوگ مکہ و قرب و جوار منیٰ و عرفات وغیرہ میں قیام پذیر ہوتے تو آپ (ﷺ) ان کے پاس جاکر انفرادی و اجتماعی طور پر دعوت اسلام پیش کرتے تھے- ربیعہ بن عباد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ میں ابھی نوجوان تھا اور اپنے والد کے ساتھ منیٰ کے میدان میں اپنے خیمے میں موجود تھا میں نے دیکھا رسول اللہ (ﷺ) ہر قبیلہ کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے اور انہیں دعوتِ توحید دیتے-[10]

تجارتی منڈیوں (عکاظ، مجاز، مجنہ) کی طرف سفر:

ویسے تو عرب کے متعدد مقامات پر میلے اور منڈیاں لگائی جاتی تھیں لیکن عکاظ، مجاز اور مجنہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، علامہ یاقوت لکھتے ہیں:

"یہ تجارتی منڈیاں قریش اور تمام اہل عرب کی مشترکہ منڈیاں تھیں اور عکاظ سب سے بڑی منڈی تھی کہتے ہیں عکاظ کی منڈی شوال کے پورے مہینہ لگتی تھی پھر وہاں سے مجنہ آجاتے تھے اور وہاں ذی القعدہ کے بیس دن خرید و فروخت کی گرم بازاری ہوتی تھی وہاں سے چل کر ذی المجاز میں آجاتے یہ منڈی حج کے ایام تک لگی رہتی"-

آپ (ﷺ) کو فرائض نبوت کی ادائیگی کا احساس ہمہ وقت بے چین رکھتا تھا، چنانچہ دور و نزدیک جہاں آپ (ﷺ) کو اہل عرب کے کسی اجتماع کی خبر ملتی حضور (ﷺ) وہاں تشریف لے جاتے- ابو طارق (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:

"میں نے اللہ کے رسول (ﷺ) کو ذی المجاز کی منڈی میں دیکھا قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر رہے تھے اور فرما رہے تھے:

"یاایھا الناس قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا"

"اے لوگو! کہو اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، فلاح پاجاؤ گے"-

سفرِ طائف:

شوال المکرم 10 نبوی میں آپ (ﷺ) تبلیغ کے لیے مکہ سے 120 میل کے فاصلے پر طائف نامی شہر پاپیادہ تشریف لے گئے- 10 دن یہاں قیام فرمایا، عوام و خواص کے سامنے دین اسلام پیش کیا، لیکن سب نے بے رخی کا مظاہرہ کیا حتیٰ کہ طائف کے اوباش اور آوارہ گرد لوگوں نے آپ (ﷺ) کو پتھر مارنا شروع کیے، سر مبارک سے لے کر پاؤں مبارک بلکہ نعلین مبارک تک آپ (ﷺ) لہولہان ہوگئے- اس موقع پر بھی آپ (ﷺ) نے یہی فرمایا: "مجھے اللہ کی ذات پر مکمل یقین اور بھروسا ہے کہ وہ ان کی نسلوں میں ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اللہ کی توحید کے قائل اور شرک سے بیزار ہوں گے"-[11] طائف سے واپسی پر جنّات کی ایک جماعت نے اسلام قبول کیا-

ہے ثبت تری ذات سے تاریخ بشر میں
وہ عزم جو تھکتا نہیں طائف کے سفر میں

سفرِ اسراء و معراج:

آپ (ﷺ) کے چچا حضرت ابو طالب اور رفیقہ حیات حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے انتقال اور پھر طائف والوں کے مایوس کن رویہ سے آپ (ﷺ) مغموم ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب (ﷺ) کو اسراء و معراج کا شرف عطا فرمایا- آپ (ﷺ) کا مکہ سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر "اسراء" اور وہاں سے آسمانوں کا سفر "معراج" کہلاتا ہے- اس بارے میں محدثین کا اختلاف ہے کہ کس ماہ اور کس تاریخ کو آپ (ﷺ) معراج پر تشریف لے گئے؟ ابن قتیبہ اور علامہ ابن عبد البر نے ماہ رجب کا تعیین کیا ہے اور متاخرین میں امام رافعی اور امام نَوَوِی اور محدث عبد الغنی مقدسی نے بھی اسی مہینے کو اختیار کیا ہے بلکہ 27 تاریخ کی بھی تصریح کر دی ہے- علامہ

[10] عماد الدین، اسماعیل بن کثیر،ابو الفداء، السیرۃ النبویۃ، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1396ھ، بیروت،ج:2،ص:155

[11] الحلبی، علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیۃ فی سیرۃ الأمین المأمون،دار المعرفۃ،1400ھ،بیروت،ج:1،ص:397

زرقانی نے لکھاہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے-اصول یہ ہے کہ جب کسی بات پر سلف کا اختلاف ہو اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو بظن غالب وہ قول صحیح ہو گا جس پر عمل درآمد ہو اور جو لوگوں میں مقبول ہو- جہاں تک سال کی بات ہے تو علامہ علی بن برہان الدین حلبی لکھتے ہیں:

”یہ سفر ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا- ابن حزم نے اسے یقین کے ساتھ لکھا ہے اور دعویٰ کیاہے کہ اس پر سب کا اجماع ہے-اور بعض کے نزدیک یہ سفر ہجرت سے دو سال پہلے اور بعض کے نزدیک تین سال پہلے وقوع پزیر ہوا“-[12]

سفر کے پہلے حصے ”اسراء“ کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت جبکہ سفر کے دوسرے حصے یعنی معراج کو سورہ النجم کی ابتدائی آیات میں بیان فرمایا گیاہے- نیز حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کی روایت کی گئی حدیث سفر معراج کی تفصیل کے لیے سب سے زیادہ محفوظ ہے- اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیاہے-[13]

عقبہ کی جانب سفر در سفر:

نبوت کے گیارہویں سال ماہ رجب میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عقبہ[14] کی جانب تشریف لے گئے-وہاں 6 افراد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت پر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے - اگلے سال 12 نبوی میں دوبارہ عقبہ کے مقام پر ہی بارہ افراد اسلام لائے، اسے بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے- اس اگلے سال 13 نبوی میں ایک بار پھر عقبہ کے ہی مقام پر مزید افراد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور ہجرت کے بارے میں تمام معاملات طے پائے- ابن کثیر کے مطابق اس رات بیعت کرنے والوں کی تعداد 75 تھی-[15]

سفر ہجرت مدینہ:

نبوت کے تیرہویں سال جو بعد میں پہلا ہجری سال مقرر ہوا اللہ کی طرف سے آپ کو ہجرت کی اجازت مل گئی- آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے پیارے دوست سیدنا ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو ساتھ لے کر عازمِ مدینہ ہوئے، مؤرخہ 26 صفر یعنی 9 ستمبر 622ء کی رات آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو اہلِ مکہ کی امانتیں سپرد فرما کر اپنے بستر پر سُلا دیا اور نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے گھر سے نکل کر سب سے پہلے حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے گھر گئے اور پھر آپ (رضی اللہ عنہ) کے ہمراہ تین دن تک غار ثور میں پناہ لی -یکم ربیعُ الاوّل بروز پیر سفر ہجرت کا آغاز ہوا اور 12 ربیعُ الاوّل کو قُبا میں پہنچے، حضرت کلثوم بن ھدم کے یہاں چند دن قیام فرمایا-[16] اسی دوران مسجدِ قُبا تعمیر فرمائی جس کی شان و عظمت پر سورۂ توبہ کی آیت 108 گواہ ہے- قبیلۂ بنو سالم میں پہلا جمعہ ادا فرمایا- نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دوبارہ قبا تشریف لے گئے اور دس روز کے قریب قیام فرمایا- 22 ربیع الاول بمطابق 4 اکتوبر 622ء آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ کی جانب مستقل قیام کیلئے روانہ ہوئے-

غزوہ ابواء / غزوہ ودان:

ہجرت کے بعد ماہ صفر 2ھ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تقریباً 70 مہاجرین صحابہ کے ساتھ مقام ابواء کی طرف پہلا عسکری سفر فرمایا، اس غزوہ کا مقصد قافلہ قریش کی روک تھام تھی- قافلہ تو نکل گیا لیکن اس سے بڑھ کر اہم کام انجام پذیر ہوا اور وہ بنو ضمرہ سے دوستی کا معاہدہ تھا، معاہدے کے تحت بنو ضمرہ اپنے ہم عقیدہ اہل مکہ کی معاونت نہ کر سکتے تھے- یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

---

[12] سیرۃ الحلبیہ، ج:1، ص:515

[13] القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، دار الطباعۃ العامرۃ، ترکیہ، 1434ھ، ج:1، رقم الحدیث:259

[14] منیٰ اور مکہ کے درمیان ایک اونچا ٹیلہ ہے جو عقبہ کے نام سے موسوم ہے یہاں سے مکہ دو میل کے فاصلے پر ہے- اس کے قریب ایک مسجد بھی ہے، یہیں سے جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماری جاتی ہیں-

[15] عماد الدین، اسماعیل بن کثیر، ابو الفداء، السیرۃ النبویۃ (فصول فی السیرۃ)، مؤسسۃ علوم القران، 1403ھ، ص، 112

[16] الروض الأنف، ج:4، ص:152

کی پہلی فوجی مہم تھی جس میں آپ (ﷺ) نے 15 دن مدینہ منورہ سے باہر قیام فرمایا-[17]

غـــزوہ بواط:

ربیع الاول 2ھ میں 200 ساتھیوں کے ساتھ آپ (ﷺ) سفر کے لیے روانہ ہوئے، اس غزوہ میں بھی کوئی معاملہ پیش نہ آیا اور آپ (ﷺ) واپسی تشریف لے آئے-

غـــزوہ صفوان / سفوان / غـــزوہ بدر اولیٰ:

غزوہ صفوان اور غزوہ العشیرہ کے وقوع میں علماء سیرت کا اختلاف ہے کہ ان میں سے پہلے کون سا پیش آیا- ابن سعد اور دیگر علماء کی رائے میں غزوہ صفوان پہلے واقع ہوا جبکہ ابن اسحاق کے مطابق غزوہ صفوان، ذوالعشیرہ کے بعد واقع ہوا- ابن سعد کے قول کے مطابق ربیع الاول میں پیش آیا-[18] اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کفار مکہ نے مسلمانوں پر اپنی دھاک بٹھانے کے لیے سردار کرز بن جابر فہری کی سربراہی میں ایک مختصر سی فوج بھیجی جنہوں نے ایک چراگاہ پر حملہ کر کے چرواہے کو قتل کر دیا، کچھ درختوں کو کاٹ دیا اور جتنے مویشی ہانک کر لے جاسکتے تھے ساتھ لے گئے- آپ (ﷺ) کو جب اس کی اطلاع ملی تو تقریباً 70 صحابہ کے ساتھ ان کا تعاقب وادی صفوان تک کیا لیکن وہ تیزی سے آگے نکل گئے-

غـــزوہ ذوالعشیرہ:

علامہ حلبی اس غزوہ کو جمادی الاول میں ذکر کرتے ہیں- آپ (ﷺ) اس مہم کے لیے 200 افراد کے ساتھ ابو سفیان کے قافلے کے ارادے سے روانہ ہوئے- یہ وہی قافلہ ہے جس نے مکہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کا سامان لوٹا اور شام لے جاکر بیچنا چاہتے تھے اسی کی وجہ سے غزوہ بدر پیش آیا- آپ (ﷺ) راز داری بر قرار رکھتے ہوئے جب بنی مدلج کے علاقے ذوالعشیرہ پہنچے تو معلوم ہوا قافلہ وہاں سے نکل چکا ہے- یہاں آپ (ﷺ) نے ایک اور سیاسی کامیابی حاصل کی اور بنو مدلج و بنو ضمرہ کے درمیان صلح کروائی نیز بنو مدلج سے بنو ضمرہ ہی کے مثل ایک معاہدہ کیا آپ (ﷺ) نے جمادی الاول کے باقی دن اور جمادی الآخر کے چند روز یہیں قیام فرمایا-[19]

غـــزوہ بدر:

آپ (ﷺ) کو جب مندرجہ بالا ذکر کردہ ابو سفیان کے قافلے کی واپسی کی اطلاع ملی تو آپ (ﷺ) بلا تاخیر سفر پر روانہ ہوگئے- آپ (ﷺ) کے ساتھ 313 جانثار تھے اور یہ 12 رمضان المبارک ہفتے کا دن تھا- بدر کے مقام پر دونوں گروہوں میں جنگ برپا ہوئی، مسلمان جوانمردی سے لڑے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کے ذریعے بھی مدد ہوئی- 14 مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا جبکہ 70 کفار واصل جہنم ہوئے جن میں ابوجہل بھی شامل ہے اور 70 افراد ہی قیدی ہوئے-[20]

غـــزوہ سلیم:

غزوہ بدر کے بعد آپ (ﷺ) کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنو غطفان کی شاخ بنو سلیم مدینہ پر چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں- آپ (ﷺ) بلا تاخیر 200 سواروں کے ساتھ ان کے اپنے علاقے میں مقام کدر تک اچانک جا پہنچے اور انہیں سنبھلنے کا موقع بالکل نہ ملا- قبیلے میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ 500 اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے- آپ (ﷺ) بنو سلیم میں 3 روز قیام فرما کر واپس تشریف لے آئے- یہ غزوہ بدر سے واپسی کے 7 روز بعد ہی پیش آیا-[21]

غـــزوہ سویق:

غزوہ بدر میں ابو سفیان نے شکست کے باعث قسم کھالی کہ جب تک وہ اپنے مقتولوں کا انتقام نہ لے گا تب تک نہ گھی کھائے گا، نہ غسل جنابت کرے گا- اسی غم و غصہ میں ماہ ذوالحجہ میں وہ 200 سواروں کو لے کر عام راستے سے ہٹ کر

[17]الشامی، سبل الهدیٰ والرشاد، ج:4، ص:14

[18]ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، دار الکتب العلمیة، بیروت، 1410ھ، ج:2، ص:6

[19]البصری، عبد الملک بن ہشام، السیرة النبویة، دار الکتاب العربی، بیروت، 1410ھ، ج:1، ص:598

[20]السیرة النبویة (فصول فی السیرة)، ص:139

[21]سیرة الحلبیه، ج:2، ص:280

نجد کا لمبا راستہ طے کرتے ہوئے مدینہ کے قریب پہنچا-[22]

مقام عریض جہاں مسلمانوں کا نخلستان تھا جس میں کھجوروں کے چھوٹے پودوں کا بڑا ذخیرہ تھا، انہیں نذر آتش کر دیا اور وہاں موجود ایک انصاری معبد بن عمرو اور ان کے ساتھی کو شہید کر دیا- ابو سفیان نے سمجھا کہ اس نے اپنی قسم پوری کر دی ہے- آپ (ﷺ) کو اطلاع ملی تو آپ (ﷺ) 200 مہاجرین اور انصار کو ساتھ لے کر ابو سفیان کے تعاقب کے لیے نکلے- ابو سفیان اور اس کے ساتھی سر پر پاؤں رکھے بھاگے چلے جا رہے تھے- مسلمانوں کو تعاقب میں ستو کی گری ہوئی بوریاں بطور غنیمت ملیں- ستو کو عربی میں سویق کہتے ہیں اس لیے اس غزوہ کا نام سویق مشہور ہو گیا-

غزوہ ذی امر / غطفان:

یہ جنگی سفر آپ (ﷺ) کے زیر قیادت 3ھ میں پیش آیا- آپ (ﷺ) کو محکمہ جاسوسی نے اطلاع فراہم کی کہ بنو ثعلبہ اور محارب کی بہت بڑی جماعت مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھی ہو رہی ہے- جب دشمن کو لشکر مدینہ کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ آس پاس کی پہاڑیوں میں چلے گئے- آپ (ﷺ) نے وہاں پر رعب و دبدبہ قائم کرنے اور مسلمانوں کی طاقت باور کروانے کے لیے تقریباً پورا ماہ صفر کا وہیں بسر کیا- بعض علماء سیرت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ غزوہ ربیع الاول میں ہوا-[23]

غزوہ الفرع:

حضور نبی کریم (ﷺ) کو اطلاع ملی کہ بنی سلیم بن منصور نے ایک لشکر اکٹھا کیا ہے اور وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا پروگرام بنا رہا ہے- آپ (ﷺ) 300 مجاہدین کو ساتھ لیکر ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے حضور (ﷺ) کی آمد کی خبر سن کر وہ سب آگے پیچھے ہوگئے- آپ (ﷺ) بخیر و عافیت مدینہ واپسی تشریف لے آئے-

غزوہ بنو قینقاع:

یہ غزوہ ہجرت سے 20 ماہ بعد ماہ شوال میں وقوع پذیر ہوا- اس غزوے کا پس منظر مسلمان خاتون کے ساتھ بد تمیزی اور ایک مسلمان کو شہید کرنا تھا- آپ (ﷺ) نے بغیر کسی تاخیر کے بنو قینقاع کی بستی کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا- ان کا محاصرہ شوال کی 15 تاریخ بروز ہفتہ شروع ہوا جو 15 روز جاری رہا- اللہ پاک نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو آپ نے انہیں 3 دن کے اندر مدینہ سے نکلنے کی مہلت دی- یہ لوگ شام میں جاکر آباد ہوئے لیکن کچھ عرصے بعد ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا-[24]

غزوہ احد:

3ھ میں جب غزوہ بدر کو سال پورا ہوا[25] تو کفار کا لشکر جو 3 ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے روانہ ہوا- آپ (ﷺ) نے اپنے اصحاب سے مشورہ فرمایا اور مدینہ سے باہر نکل کر سامنا کرنے کا فیصلہ ہوا- اس غزوہ میں 70 مسلمان شہید ہوئے جن میں آپ (ﷺ) کے چچا حضرت امیر حمزہ (رضی اللہ عنہ) بھی شامل تھے-

غزوہ حمراء الاسد:

آپ (ﷺ) نے احد کے اگلے ہی روز اتوار کو صبح مسلمانوں کو جمع فرما کر کفار کے تعاقب میں جانے کا عندیہ دیا- اگرچہ مسلمان زخموں سے چور چور تھے لیکن سرکار (ﷺ) کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے نکل پڑے- آپ (ﷺ) جب حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے تو یہیں رک گئے جب اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ وہ واپس مکہ چلے گئے ہیں تو آپ (ﷺ) واپسی مدینہ تشریف لے آئے-

غزوہ بنو نضیر:

غزوہ احد کے بعد بنو نضیر کھلم کھلا عداوت و بد عہدی پر اتر آئے کہ انہوں نے حضور نبی کریم (ﷺ) پر چکی گرا کر آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنالیا جبکہ آپ (ﷺ) اس وقت ان کے پاس مذاکرات کیلیے موجود تھے- آپ (ﷺ)

---

[22] الروض الانف، ج:5، ص:271
[23] الروض الانف، ج:5، ص:274
[24] ازہری، ضیاء النبی، ج:3، ص:440
[25] البیہقی، ج:3، ص:201

کو حضرت جبریل (علیہ السلام) کے ذریعے خبر مل گئی، آپ (ﷺ) نے صحابہ کرام کو یہود کے ارادوں کی خبر دی- آپ (ﷺ) نے انہیں مدینہ سے نکلنے کا نوٹس بھجوایا، نہیں میں جواب ملنے کے بعد آپ (ﷺ) بنو نضیر کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کا محاصرہ کر لیا- ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رعب ڈالا اور محاصرہ کے 6 اور بعض روایتوں میں 15 دن بعد ہی انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے- غزوہ بنو نضیر ربیع الاول 4ھ میں پیش آیا-[26]

غزوہ ذات الرقاع:

یہ غزوہ بنو نضیر کے بعد جمادیٰ الثانی میں پیش آیا[27] جب آپ (ﷺ) کو بنو محارب و ثعلبہ کی جنگی تیاری کی اطلاع ملی نیز عامر بن طفیل نے غداری کر کے 70 جلیل القدر صحابہ کو شہید کر دیا تھا- آپ (ﷺ) نے اپنے 400 مجاہدین کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے- جب ان قبائل کو آپ (ﷺ) کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے نوجوانوں اور آس پاس کے قبائل کو جمع کر لیا- پہل کسی نے نہ کی- کچھ دن فریقین آمنے سامنے رہے لیکن جنگ کی نوبت نہ آئی اور آپ (ﷺ) بخیر و عافیت مدینہ پلٹ آئے-

غزوہ بدر الصغریٰ:

غزوہ احد سے واپسی پر ابو سفیان نے آپ (ﷺ) کو چیلنج دیا تھا کہ ایک سال بعد ہمارا اور تمہارا مقابلہ بدر میں ہو گا اور آپ (ﷺ) نے اس کے چیلنج کو قبول کیا- غزوہ ذات الرقاع سے واپسی پر آپ (ﷺ) نے تین ماہ مدینہ میں بسر کیے اور شعبان میں بدر کی طرف 1500 جانثاروں کے ساتھ روانہ ہوئے- ابو سفیان مکہ سے 2 ہزار کا لشکر لے کر نکلا لیکن مجنہ کے مقام پر اہل لشکر کو قائل کر لیا کہ واپس لوٹ جانا چاہئے مسلمان نہ آئیں گے- آپ نے 8 روز لشکر قریش کا انتظار کیا- پھر بحفاظت مدینہ تشریف لے آئے-

غزوہ دومۃ الجندل:

اس غزوہ سے پہلے تک آپ (ﷺ) کی تمام عسکری سرگرمیوں اور مہمات کا دائرہ کار مدینہ کے گرد و نواح اور نجد تک تھا- پہلی دفعہ مجاہدین اسلام روم نے ایک اہم صوبے شام کے ایک سرحدی شہر دومتہ الجندل کا قصد کیا- چنانچہ 5ھ کے ربیع الاول کے مہینے[28] میں آپ (ﷺ) ایک ہزار مجاہدین اسلام کی معیت میں دومتہ الجندل کی جانب روانہ ہوئے- یہ

مسافت 15 دن کی تھی- لشکر اسلام جب اس علاقے کے قریب پہنچا تو ہر طرف بکریوں کے ریوڑ اور اونٹوں کے گلے چر رہے تھے، کوئی آدمی دکھائی نہ دیا- آپ (ﷺ) نے چند روز وہاں قیام کیا اور 20 ربیع الثانی کو مراجعت فرمائی-

غزوہ مریسیع / بنی مصطلق:

یہ جنگی سفر 5ھ میں پیش آیا- اس غزوہ کا محرک یہ اطلاع تھی کہ بنو مصطلق کے رئیس حارث بن ابی ضرار نے اپنی قوم کے جوانوں اور اور دیگر قبائل کو مسلمانوں پر حملہ کے لیے تیار کیا ہے- تصدیق کے بعد آپ (ﷺ) شعبان کے ماہ میں اپنے مجاہدین کو لے کر روانہ ہوئے- جب پیغمبر اسلام کے آنے کی خبر ہوئی ارد گرد کے لوگ بھاگ گئے اور حارث اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اکیلا رہ گیا- آپ (ﷺ) مریسیع پہنچے تو چشمے کے پاس آپ (ﷺ) کا خیمہ نصب کیا گیا- مجاہدین اسلام کی صفیں آراستہ کی گئیں، پہلے تیر اندازی ہوتی رہی پھر آپ (ﷺ) نے یکبارگی حملے کا حکم دیا- دشمن پسپا ہوئے اور آپ (ﷺ) فتحیاب ہو کر لوٹے-[29]

[26]الطبقات الکبریٰ، ج:2، ص:43

[27]ازہری، ضیاء النبی، ج:3، ص:634

[28]السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ج:2، ص:213

[29]مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، مکتبہ سلفیہ، لاہور، 1421ھ، ص:443

غزوہ بنو قریظہ:

غزوہ خندق کے بعد آپ (ﷺ) اپنے صحابہ کے ساتھ گھروں کو پہنچے ہی تھے کہ حضرت جبریل (علیہ السلام) تشریف لائے اور حکم خداوندی سنایا کہ جب تک بنو قریظہ کا خاتمہ نہ ہو جائے ہتھیار اتارنے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ مسلمان اپنے ہتھیار سجائے گھروں سے نکلے۔ لشکر جلد ہی بنو قریظہ پہنچا۔ 25 دن محاصرہ جاری رہا جب وہ کوئی فیصلہ نہ کر پائے تو انہوں نے سعد بن معاذ کو حکم مقرر کرنے کی سفارش کی جو آپ (ﷺ) نے قبول فرمالی غزوہ خندق و بنو قریظہ سے 5ھ کے آخری مہینے ذوالحجہ میں فراغت ہوئی۔

غزوہ بنی لحیان و غزوۃ الغابہ:

آپ (ﷺ) نے ربیع الاول 6 ھ[30] میں رجیع کے مقتولین کا بدلہ لینے کے لیے دو سو صحابہ کی معیت میں بنو لحیان کا رخ کیا۔ ان کو بھی آپ (ﷺ) کی آمد کی خبر ہو گئی وہ پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگے اور ان کا کوئی بھی آدمی گرفت میں نہ آسکا۔ آپ (ﷺ) نے 2 روز قیام کیا۔ کُل 14 دن مدینہ سے باہر رہ کر آپ (ﷺ) تشریف لائے۔

بنو لحیان سے واپسی پر دو تین راتیں ہی گزریں کہ عیینہ بن حصن فزاری نے مدینہ سے کچھ فاصلے پر الغابہ نامی چراگاہ جہاں آپ (ﷺ) کی شیر دار اونٹیاں چرا کرتی تھیں۔ چند سواروں کے ساتھ حملہ کر دیا، آپ (ﷺ) کو علم ہوا تو آپ (ﷺ) بھی روانہ ہو گئے۔ صحابہ نے انتہائی سرعت سے کاروائی کی خاص کر حضرت سلمہ بن اکوع نے آپ (ﷺ) کی اونٹنیاں واپس لانے میں اہم کردار ادا کیا۔

عمرہ کیلئے سفر (غزوۃ الحدیبیہ):

ذو القعدہ 6ھ[31] میں حضور اقدس (ﷺ) عمرے کی نیت سے مکہ کی جانب تشریف لے گئے کسی قسم کی لڑائی پیش نظر نہ تھی۔ قریش کو جب آپ (ﷺ) کی روانی کی اطلاع ملی تو وہ سمجھے کہ عمرہ صرف ایک بہانہ ہے اصل مکہ پر قبضہ کرنا ہے۔ انہوں نے حضور نبی کریم (ﷺ) کی پیش قدمی کو روکنے کے

[30] الطبقات الکبریٰ، ج:2، ص:60

[31] دلائل النبوۃ للبیہقی، ج:4، ص:91

لیے 200 سواروں کا خالد بن ولید کو کراع النعیم کی طرف بھیج دیا۔ آپ (ﷺ) نے ٹکراؤ سے بچنے کے لیے مشہور راستہ چھوڑ کر ایک نہایت کٹھن اور دشوار گزار راستہ اختیار کیا اور حدیبیہ کے مقام پر پہنچے۔ یہاں مشہور بیعت رضوان بھی ہوئی۔ سہیل بن عمرو کے ذریعے چند شرائط پر صلح ہو گئی جسے صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے اور جسے اللہ پاک نے فتح کا نام دیا۔ آپ (ﷺ) نے حدیبیہ میں انیس یا بیس دن قیام فرمایا اور ماہ ذوالحجہ میں مدینہ تشریف لے آئے۔

غزوہ خیبر:

آپ (ﷺ) نے محرم 7ھ کے ایام میں خیبر کی طرف روانگی فرمائی۔[32] آپ (ﷺ) انتہائی رازداری سے سفر کرتے ہوئے رات کو خیبر کے باہر پہنچ گئے۔ صبح جب اہل خیبر اپنے کام کاج کے لیے نکلے تو لشکر دیکھ کر گڑبڑا گئے اور بھاگے کہ خدا کی قسم محمد (ﷺ) لشکر سمیت آگئے ہیں۔ قلعے فتح ہوتے رہے یہاں تک کہ ابن ابی الحقیق نے صلح کے لیے بات چیت کی۔ آپ (ﷺ) نے خیبر کی زمین اس شرط پر یہود کے حوالے کر دی کہ پیداوار کا آدھا حصہ یہود کو دیا جائے گا اور جب تک رسول اللہ (ﷺ) چاہیں گے اس بر قرار رکھیں گے اور جب چاہیں گے جلاوطن کر دیں گے۔[33]

غزوہ ذات الرقاع:

آپ (ﷺ) نے قبیلہ انمار یا غطفان کی دو شاخوں بنی ثعلبہ اور بنی محارب کے اجتماع کی خبر سنی تو فوری طور پر چار یا سات سو صحابہ کرام کی معیت میں نجد روانہ ہوئے۔ مقام نخل پر بنو غطفان کی ایک جمعیت سے آپ (ﷺ) کا سامنا ہوا لیکن جنگ نہ ہوئی۔ سنگ دل اعراب کو مرعوب کرنے میں اس غزوہ کا بڑا اثر رہا۔

عمرۃ القضاء:

گزشتہ برس یعنی 6ھ میں آپ (ﷺ) عمرہ کی نیت سے تشریف لے گئے تھے لیکن بوجوہ کر نہ سکے اور صلح حدیبیہ واقع ہوئی۔ اسی عمرہ کی قضاء کیلئے 7ھ ذو ماہ القعدہ میں آپ

[32] سیرۃ الحلبیہ، ج:3، ص:45

[33] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ج:2، ص:356-357

(ﷺ) صحابہ کے ساتھ عازم مکہ ہوئے- تین دن مکہ میں قیام فرمایا اور چوتھے دن واپس روانہ ہوئے-[34]

فتح مکہ:

20 رمضان المبارک 8ھ فتح مکہ کا دن تاریخ انسانیت کا مقدس و مبارک دن ہے، جس نے کفر کے ایوانوں کو نیست و نابود کر دیا- آپ (ﷺ) مکہ تشریف لائے اور تاریخی الفاظ ارشاد فرمائے **لا تثریب علیکم الیوم**-اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عظیم فتح کا ذکر سورہ نصر میں کیا ہے-

غزوہ حنین وغزوہ طائف:

بنو ہوازن اور ثقیف اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگ اوطاس کے مقام پر مقابلے کے لیے جمع ہوئے- رمضان 8ھ میں آپ (ﷺ) مکہ تشریف لائے تھے اب شوال میں ہی مکہ سے کوچ فرمایا آپ (ﷺ) کے ساتھ 12 ہزار کی فوج تھی، دشمن کو شکست ہوئی-اس غزوہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں کیا ہے- غزوہ طائف، غزوہ حنین سے ہی منسلک ہے- غزوہ حنین کے بیشتر افراد مالک بن عوف کے ساتھ طائف میں ہی آئے تھے اور یہیں قلعہ بند ہوگئے تھے-لہٰذا آپ (ﷺ) نے حنین سے فارغ ہو کر ماہ شوال 8ھ میں طائف کا رخ کیا[35] اور قلعہ طائف کا محاصرہ کر لیا- مسلمانوں کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا کئی مسلمان شہید بھی ہوئے- آپ (ﷺ) نے باہم مشورہ سے محاصرہ اٹھا دیا-

عمرہ جعرانہ:

غزوہ حنین سے حاصل ہونے والا مال غنیمت آپ (ﷺ) نے غزوہ طائف کے بعد جعرانہ کے مقام پر تقسیم فرمایا اور پھر عمرہ کے لیے تشریف لے گئے، آپ (ﷺ) کا یہ سفر عمرہ بھی ماہ ذوالقعدہ میں ادا ہوا-[36]

[34] الطبقات الکبریٰ، ج:2، ص:92
[35] الروض الانف، ج:7، ص:274
[36] السیرۃ النبویۃ (فصول فی السیرۃ)، ص:209

سفر تبوک:

غزوہ تبوک آپ (ﷺ) کی زندگی کا آخری غزوہ ہے جو ماہ رجب 9ھ میں وقوع پزیر ہوا-[37]مسلمانوں کو یہ متواتر یہ خبریں پہنچ رہی تھیں رومی مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن معرکہ کی تیاری کر رہے ہیں- آپ (ﷺ) نے دقت نظری سے کام لیتے ہوئے اس عسرت کے باوجود سامنا کرنے کا فیصلہ کیا- آپ (ﷺ) تبوک پہنچے تو رومی لشکر اور ان کے حلیفوں میں خوف کی لہر دوڑ گئی اور ٹکر لینے کی ہمت نہ ہوئی- اسلامی لشکر تبوک سے فتح یاب لوٹا-

حجۃ الوداع:

10ھ ماہ ذو القعدہ کی 25 تاریخ کو بعد نماز ظہر آپ (ﷺ) حج کے لیے سفر پر روانہ ہوئے[38] اور آٹھ دن سفر طے کر کے 4 ذوالحجہ کو مکہ مراجعت فرما ہوئے- پہلے عمرہ ادا کیا- لیکن احرام نہیں کھولا اور اسی احرام سے حج کے افعال ادا فرمائے- 9 ذوالحجہ کو مقام عرفات میں جبل رحمت پر آپ (ﷺ) نے تاریخ ساز خطبہ دیا جسے ’’خطبہ حجۃ الوداع‘‘ کے نام سے جانا جاتا ہے- اس سفر سے واپسی کے بعد آپ (ﷺ) سفر آخرت کیلیے روانہ ہوئے-

حضور نبی کریم (ﷺ) کے اسفار جہاں آپ (ﷺ) کی زندگی کے مختلف نشیب و فراز سے روشناس کرواتے ہیں وہیں امت کے لیے **السفر وسیلۃ الظفر** (عربی کہاوت) کی عملی تصویر بھی پیش کرتے ہیں- ضرورت اس امر کی ہے آپ (ﷺ) کے سفر میں اپنائے گئے اور سکھائے گئے آداب کا مطالعہ بھی کیا جائے-

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کے جتنے بھی اسفار مبارک ہیں بامقصد اور اسلام کی سربلندی کیلئے تھے- پس ہمیں فرمان رسول (ﷺ) ’’**علیکم بسنتی**‘‘ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنی زندگی کے ہر کام کو بامقصد اور دین اسلام کی سربلندی کیلئے کرنا چاہئے-

☆☆☆

[37] سیرۃ الحلبیہ، ج:3، ص:183
[38] ایضاً، ص:360

منصبِ قضاء کے تقاضے سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روشنی میں

مفتی محمد صدیق خان قادری

منصبِ قضاۃ ایک ایسا عظیم منصب ہے جو لوگوں کے مسائل حل کرنے، ان کے حقوق کی فراہمی اور انہیں انصاف فراہم کرنے کے لئے کسی باشعور و ذی علم اور باصلاحیت شخصیت کو عطا کیا جاتا ہے- آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ صرف خود اس منصب پر فائز رہے بلکہ صحابہ کرام کو بھی کئی مواقع پر لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے حاکم مقرر فرمایا اور مختلف شہروں میں یہ منصب قضاء عطا فرما کر انہیں روانہ فرمایا- یہ منصب جتنا عظیم ہے اتنا حساس بھی ہے کیونکہ اس کا تعلق براہِ راست شرعی حدود کے نفاذ اور لوگوں کے حقوق اور جان و مال کے ساتھ ہے- جس میں ذرا سی کوتاہی اور جھول بھی لوگوں کے حقوق اور جان و مال کے سلب کا سبب بن سکتی ہے جو کہ نہ صرف بہت بڑا جرم ہے بلکہ گناہ کبیرہ بھی ہے- اسی ڈر اور خوف کی وجہ سے کئی علماء کرام جب انہیں اس منصب کی پیش کش کی گئی تو وہ اس سے گھبراتے اور معذرت کر لیتے تھے خاص کر غاصب حکمرانوں کے عہد میں-

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس منصب کے حامل شخص کو عدل و انصاف قائم رکھنے پر تنبیہ فرمائی ہے- اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حکم فرمایا:

"وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ"[1]

"اور اگر ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو بے شک انصاف والے اللہ کو پسند ہیں"-

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد (علیہ السلام) کو فرمایا:

"يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى"[2]

"اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے تو تم لوگوں میں حق اور انصاف کے ساتھ فیصلے کرو اور خواہشات کی پیروی نہ کرو"-

کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے انہیں عدل و انصاف کرنے کا حکم فرمایا- جیسا کہ سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ"[3]

"اے ایمان والو! انصاف پر اچھی طرح قائم رہنے والے ہو جاؤ"-

ایک اور مقام پر فرمایا:

"لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى"[4]

"تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو انصاف کرو- وہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے"-

مزید سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا:

"وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى"[5]

"اور جب تم کچھ کہو تو حق بات کہو خواہ تمہارا قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو"-

لہٰذا! عوام الناس کے حقوق و انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ قاضی اور منصف اپنے منصب کے ساتھ انصاف کرے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے لوگوں کے مسائل حل کرے اور انہیں پورا پورا انصاف مہیا کرے-

زیر نظر مضمون میں ہم منصبِ قضاء کے چند اہم تقاضے سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں-

---

[1](المائدہ:42)
[2](سورۃ ص:26)
[3](النساء:135)
[4](المائدہ:8)
[5](الانعام:152)

اسلامی نقطہ نظر سے منصبِ قضاء کا پہلا بنیادی اور اہم تقاضا یہ ہے کہ فیصلہ شرعی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا جائے - اگر ان اصولوں کی موافقت نہ کی گئی تو ایسا کرنے والا ظالم اور فاسق ہو گا-

اگر ہم قرآن مجید و احادیث مبارکہ کا بغور مطالعہ کریں تو اسی چیز کی طرف رہنمائی ملتی ہے - اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"إِنَّآ أَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُۚ وَلَا تَكُن لِّلۡخَآئِنِينَ خَصِيمٗا"[6]

"اے محبوب (ﷺ) بے شک ہم نے آپ کے حق کے ساتھ کتاب بھیجی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ (ﷺ) کو بتلایا ہے اور آپ ان خائنوں کی طرف داری نہ کیجئے"-

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

"وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ"[7]

"اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ ظالم ہیں"-

امام ترمذی روایت فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) کو یمن کی طرف بھیجا تو آپ (ﷺ) نے پوچھا! تم فیصلہ کیسے کرو گے؟ انہوں نے عرض کی میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا- آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا اگر اس میں حکم نہ پاسکو تو انہوں نے عرض کی میں رسول اللہ (ﷺ) کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا- فرمایا: اگر سنت سے بھی حکم نہ پاسکو تو، عرض کی میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ہیں کہ جس نے اپنے رسول کے قاصد کو یہ توفیق عطا فرمائی"-[8]

معلوم ہوا کہ قاضی اور حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ فیصلہ قرآن و سنت اور احکامات کے مطابق کرے - کوئی ایسا فیصلہ نہ کرے جو شرعی قوانین اور اس کی روح کے متصادم ہو-

منصب قضاء کا دوسرا ضروری تقاضا یہ ہے کہ فریقین کو انصاف اور ان کا حق مہیا کرے کیونکہ کسی شخصیت کو یہ منصب عطا بھی اس لئے کیا جاتا ہے کہ تاکہ لوگوں کے مسائل سن کر ان کے مال و جان اور ان کے حقوق کی حفاظت کی جائے- اگر کوئی اس منصب کا حامل ایسا نہیں کر سکتا تو اس کے لئے بہت سخت وعید آئی ہے-

حضرت بریدہ (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ:

"قاضیوں کی تین قسمیں ہیں ایک جنت میں ہو گا اور دو دوزخ میں ہوں گے- جنت میں وہ قاضی ہو گا جو حق کو پہچان لے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے اور جو حق پہچاننے کے باوجود اس کے خلاف فیصلہ کرے گا وہ دوزخ میں ہو گا اور جو شخص جہالت سے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا وہ بھی دوزخ میں ہو گا"-[9]

اس حدیث مبارکہ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ وقت کے قاضی میں دو بنیادی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے-

1. قانون اور معاملات کی پوری واقفیت
2. ہر معاملہ میں عدل و انصاف کے تقاضوں کا لحاظ

اگر قاضی میں ان دونوں اوصاف میں سے کوئی وصف موجود نہیں ہے تو وہ اس قابل نہیں ہے کہ اسے قاضی کا منصب دیا جائے یا اسے اس عہدے پر برقرار رکھا جائے-

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ:

"رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا جب تک قاضی ظلم نہ کرے اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جب وہ ظلم کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ نہیں ہوتا اور شیطان اس سے چمٹ جاتا ہے"-[10]

مطلب یہ ہے کہ جب تک قاضی اپنے عہدے اور حلف کی پاسداری کرتا ہے اور پورے اخلاص کے ساتھ عدل

[6](النساء:105)
[7](المائدہ:45)
[8](سنن ترمذی، باب: ماجاء فی القاضی کیف یقضی)
[9](سنن ابی داؤد، باب فی القاضی یخطئی)
[10](سنن ترمذی، باب ماجاء فی الامام العادل)

وانصاف پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے لئے شامل حال رہتی ہے اور وہ درست فیصلے تک پہنچ جاتا ہے- لیکن جونہی وہ اپنے منصب اور حلف کی خلاف ورزی کرتا ہے تو مدد اور تائید اٹھالی جاتی ہے اور شیطان اس سے چمٹ جاتا ہے- پھر اس کا ہر فیصلہ مفاد اور فساد پر مبنی ہوتا ہے-

اس کے برعکس جو قاضی لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ عدل و انصاف پر کرتا ہے اور اپنے عہدے اور منصب کا لحاظ کرتا ہے تو اس کیلئے بشارات بھی ہیں- جس طرح ما قبل مذکور حدیث میں فرمایا گیا کہ وہ جنت کا مستحق ہو گا-

اسی طرح حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"انصاف کرنے والے امام کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے اور زمین پر حد قائم کرنا چالیس سال کی بارش سے زیادہ پاکیزگی اور صفائی کرنے والا ہے"-[11]

حضرت عبد اللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"دنیا میں انصاف کرنے والے (قیامت کے دن) رحمان کی دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے"-[12]

حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ آقا کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہو گا جو انصاف کرنے والا حاکم ہو"-[13]

منصب قضاء کا ایک تقاضا یہ بھی ہے فریقین کے درمیان مکمل مساوات سے کام لے کیونکہ قانون کی نگاہ میں حاکم و محکوم، مرد و عورت، سیاہ و سفید سب برابر ہیں- عدالتی کارروائی کے دوران قاضی کا کسی ایک فریق کی طرف غیر شعوری جھکاؤ فریق مخالف کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کے ساتھ ساتھ ناانصافی پہ مائل کر سکتا ہے- اس لئے قاضی کو سختی سے ہدایات کی گئی ہیں کہ وہ مساوات اور غیر جانبداری کے عمل کو یقینی بنائے- لہٰذا عدالتی کارروائی کے دوران قاضی کے بیٹھنے میں، متوجہ ہونے میں اشارہ اور نظر کرنے میں فریقین کے درمیان یکساں سلوک کرے- یہاں تک کہ بات چیت کے دوران کسی ایک فریق سے بہ نسبت دوسرے فریق کے بلند آواز کے ساتھ گفتگو نہ کرے-

حضرت اُم سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کی آزمائش میں ڈالا گیا اس کو چاہیے کہ کسی صورت میں بھی ایک فریق سے دوسرے فریق کے مقابلہ میں زیادہ بلند آواز سے بات نہ کرے"-[14]

یعنی قاضی کو چاہیے کہ گفتار کردار، لب و لہجہ ہر چیز میں دونوں فریقوں سے بالکل یکساں سلوک کرے کسی فریق کو جھڑکے نہیں اور دونوں کو اپنا مدعا بیان کرنے میں برابر موقع میسر کرے- ایک روایت کے مطابق جو کہ وہ بھی حضرت اُم سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے اس میں عدل و مساوات کا ایک ایسا اعلیٰ ترین معیار بیان کیا گیا ہے کہ بندہ حیران رہ جاتا ہے- آقا کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ:

"قاضی کو چاہیے کہ مقدمہ میں فریقین کو دیکھنے میں، ان کی طرف اشارہ کرنے اور ان کو بٹھانے میں بھی عدل کرنا چاہیے"-[15]

یعنی ایک فریق کی طرف زیادہ دھیان دینا یا اس کی طرف رخ کر کے بیٹھنا اور اس کی بات بھرپور توجہ سے سننا اور دوسرے کی کم توجہ سے سننا بھی عدل و مساوات کے منافی ہے-

[11](شعب الایمان، رقم الحدیث:7379)
[12](صحیح مسلم، باب فضیلۃ الامام العادل)
[13](سنن ترمذی، باب ما جاء فی الامام العادل)
[14](سنن دار قطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام)
[15](المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث:622)

مساوات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ قاضی اس بات کو یقینی بنائے کہ دونوں فریق اس کے سامنے پیش کئے جائیں- جیسا کہ عبد اللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ:

"خصمین یعنی مدعی اور مدعی علیہ قاضی کے سامنے پیش کئے جائیں"-[16]

اس حدیث پاک سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ دونوں فریقین کا قاضی کے سامنے حاضر ہونا ضروری ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی فریق کو دولت، منصب یا اثر و رسوخ کی بنا پر عدالت کی پیشی سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے- لہٰذا فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی طرح کا امتیازی برتاؤ عدالتی آداب اور انصاف کے متصادم ہے-

منصب قضاء کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ فریقین میں سے کسی کی دعوت نہ کرے کیونکہ اس سے آقا کریم (ﷺ) نے منع فرمایا ہے- روایت میں ہے کہ:

"ایک شخص حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے پاس مہمان آیا اور صبح فریق مقدمہ کی حیثیت سے پیش ہوا- آپ نے اس سے پوچھا کیا تم مقدمہ میں فریق ہو، اس نے کہا جی ہاں- تو آپؓ نے ارشاد فرمایا تو پھر مہمانی کے لئے کوئی اور جگہ تلاش کر کیونکہ ہمیں رسول اللہ (ﷺ) نے دوسرے فریق کے بغیر کسی ایک فریق کی مہمان داری سے منع فرمایا ہے"-[17]

کیونکہ قاضی اگر کسی ایک فریق کی دعوت یا مہمان نوازی کرے گا تو قاضی پر اس فریق کی طرف میلان اور جھکاؤ کا الزام لگے گا اور دوسرے فریق کا قاضی سے اعتماد اٹھ جائے گا-

قضاء کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ قاضی غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے- حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرہ نے اپنے صاحبزادے کو جو سجستان میں قاضی تھے لکھا کہ:

"تم دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرو اس لئے میں نے آپ (ﷺ) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی حاکم دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں ہرگز فیصلہ نہ کرے"-[18]

غصہ کی حالت میں فیصلہ دینے کی ممانعت اس لئے آئی ہے کہ اس حالت میں عموماً انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور قوت فیصلہ نقطہ اعتدال سے خاصی ہٹ جاتی ہے اور اس امر کا بہت قوی امکان ہو جاتا ہے کہ غلط فیصلہ صادر ہو جائے-

حاصل کلام یہ ہے کہ منصب قضاء یہ کوئی عام عہدہ اور منصب نہیں ہے بلکہ یہ انبیاء کرام کا منصب رہا ہے جو زمین پہ انصاف قائم کرنے بھیجے گئے، اس کا وقار خاتم الانبیاء (ﷺ) نے اور ان کی تیار کردہ جماعت نے قائم کیا- آج بھی یہ ایک پر وقار و باعزت اور ریاست کا سب سے بڑا عہدہ ہوتا ہے کہ جہاں حاکم وقت بھی کٹہرے میں لایا جا سکتا ہے- لہٰذا! اس منصب پر براجمان ہونے والے کیلئے لازم ہے کہ وہ اس منصب کی حساسیت اور عظمت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے تقاضوں کو پورا کرے- اگر قاضی ان تقاضوں کو پورا نہیں کرتا بلکہ اپنی خواہش، مفاد کو اہمیت دیتا ہے تو یقین جانیے- یہ چیز نہ صرف عدالتی آداب کے خلاف ہے بلکہ فتنہ و فساد کا باعث ہے کیونکہ اس کی وجہ سے لوگوں کا اعتماد بھی عدالت سے اٹھ جاتا ہے اور لوگ مایوس ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ عدالتوں سے ماوراء خود فیصلے کرنا شروع کر دیتے ہیں جو انتشار کا باعث بنتا ہے-

لہٰذا! منصفوں کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے مقدمات اور مسائل کو شرعی اصولوں کے مطابق حل کرتے ہوئے فریقین کو اپنے بروقت عدل و انصاف اور مساواتی عمل و کردار سے انہیں مطمئن کریں تاکہ نہ صرف ان کے انصاف کا بول بالا ہو بلکہ لوگوں کا عدالتوں پر اعتماد بھی بحال رہے اور وہ انصاف ہوتا ہوا دیکھیں-

☆☆☆

---

[16](سنن الکبری للبیہقی، باب انصاف الخصمین فی المدخل علیه)

[17](سنن الکبری للبیہقی، باب لا ینبغی للقاضی ان یضیف الخصم)

[18](صحیح بخاری، باب هل یقضی القاضی او یفتی وهو غضبان)

احادیثِ نبویہ ﷺ اور فضیلتِ علم

مفتی محمد اسماعیل خان نیازی

علم کی فضیلت و عظمت، ترغیب و تاکید مذہب اسلام میں جس بلیغ و دل آویز انداز میں پائی جاتی ہے اس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔ تعلیم و تربیت اور درس و تدریس تو گویا اس دینِ برحق کا جزو لاینفک ہے۔ سیدی رسول اللہ (ﷺ) اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ حصولِ علم کی رغبت اور تلقین فرماتے اللہ عزوجل نے اپنے محبوب مکرم (ﷺ) کے وسیلہ جلیلہ سے ہم سب کو یہ دعا مانگنے کا حکم ارشاد فرمایا:

"وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا"۔[1]

"اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے"۔

اسی اہمیت کے پیشِ نظر یہاں فضیلتِ علم کے بارے میں چند فرامین مصطفےٰ (ﷺ) لکھنے کی سعی سعید کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ سیدی رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرا کرو تو کچھ چر لیا کرو (دلی مراد حاصل کر لیا کرو)، عرض کی، یارسول اللہ (ﷺ)! جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: "علم کی مجالس"۔[2]

سیدنا رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"جس آدمی کو موت آئی اس حال میں کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو تاکہ وہ اسلام کو زندہ کرے تو (جنت میں) اس کے اور انبیاء کرام (علیہم السلام) کے درمیان ایک درجہ کا فرق ہو گا"۔[3]

امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) روایت کرتے ہیں کہ سیدی رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرما دیتا ہے اور میں (علم) کو تقسیم کرنے والا ہوں، عطا کرنے والا تو اللہ ہی ہے"۔[4]

حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) نے ارشاد فرمایا:

"ایک گھڑی بھر علم کا حصول ایک رات کے قیام سے بہتر ہے اور ایک دن علم حاصل کرنا تین ماہ کے روزوں سے افضل ہے"۔[5]

امام مناوی (رحمۃ اللہ علیہ) اس حدیث مبارک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث پاک اس کے بارے میں ہے جس نے شرعی علم حاصل کیا تاکہ اس پہ عمل کیا جائے۔[6]

علماءِ حق کے فضائل:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا"۔[7]

"اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں"۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ علم کی اپنی بارگاہِ اقدس میں فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ"۔[8]

---

[1] طٰہٰ:114

[2] الطبرانی، سلیمان بن أحمد، المُعْجَمُ الكَبِير، (المتوفى:360)، دار النشر: مكتبة ابن تيمية – القاهرة الطبعة: الثانية، باب: مجاهد، عن ابن عباس، رقم الحديث:11158

[3] ابن بطه، عبيدالله بن محمد (المتوفى:387هـ)، الإبانة الكبرى، (دار الراية للنشر والتوزيع، الرياض)، ج:1، ص:200

[4] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (دار: طوق النجاة-1422ھ) كِتَابُ فَرْضِ الخُمُسِ، رقم الحديث:3116

[5] المناوی، عبدالرؤوف بن تاج العارفین، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، (مصر، المكتبة التجارية الكبرى، 1356ھ) ج:4، ص:269

[6] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج:4، ص:269

[7] فاطر:28

[8] المجادلہ:11

’’اللہ عزوجل ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا‘‘۔

ایک اور مقام پہ ارشاد فرمایا:

’’كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ‘‘[9]

’’اللہ والے ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس سے کہ تم درس دیتے ہو‘‘۔

امام ابوزکریا رازی (رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے:

’’باعمل علماء، حضور سید عالم (ﷺ) کی اُمت پر، اُن کے ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان اور شفیق ہوتے ہیں- آپؒ سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے؟ آپؒ نے فرمایا: کیونکہ ان کے والدین تو انہیں دنیا کی آگ سے بچاتے ہیں، جبکہ (باعمل) علماء انہیں جہنم کی آگ اور اس کی ہولناکیوں سے بچاتے ہیں‘‘۔[10]

ایک اور مقام پہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ:

’’لوگ ہمیشہ بھلائی پر رہیں گے جب تک کہ ان کے سرپرست اور حاکم سیدھے راستے پر قائم رہیں گے اور ہدایت پر وہ علماء ہیں جو اپنے علم پر عمل کرنے والے ہیں‘‘۔[11]

حضرت ابو الدرداء (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ سیدی رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

’’روزِ قیامت علماء کے قلم کی سیاہی اور شہداء کے خون کو تولا جائے گا‘‘۔[12]

اللہ عزوجل علماء حق کے وسیلہ سے کئی گمراہوں کو راہِ ہدایت عطا فرماتا ہے، حالانکہ کسی کی نجات کیلئے ایک بندے کا بھی ہدایت پا جانا کافی ہے- جیسا کہ جب سیدی رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) کو یمن کی طرف بھیجا تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

’’تیری وجہ سے ایک آدمی کا ہدایت پا جانا تیرے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے‘‘۔[13]

حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ سیّدی رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

’’ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے‘‘۔[14]

اسی طرح حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ:

’’آقا کریم (ﷺ) کی بارگاہِ اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا اور آپ (ﷺ) سے عبادت گزاروں اور فقہاء کے بارے میں سوال کیا اور عرض کی: یارسول اللہ (ﷺ)! اللہ عزوجل کے ہاں عبادت گزار افضل ہیں یا فقہاء؟ تو سیدی رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل کے ہاں ایک فقیہ ہزار عبادت گزاروں سے افضل ہے‘‘۔[15]

حضرت کثیر بن قیس (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ میں نے آقا کریم (ﷺ) کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا:

’’جو کسی راستہ پہ چلا جس میں علم کی تلاش کرتا تھا اللہ عزوجل اس کیلئے جنت کی طرف راستہ کو آسان فرما دیتا ہے اور بے شک فرشتے طالب علم سے خوش ہو کر اس کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں اور اس طالب علم کے لیے زمین و آسمان کی ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی بخشش طلب کرتی ہیں- بے شک عالم کی عابد پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح چاند کی دیگر تمام ستاروں پر فضیلت ہے- بے شک علماء انبیاء (علیہم السلام)

[9] آل عمران:79

[10] الشَّعْراني، عبدالوهاب بن أحمد بن علي، الطبقات الكبرى، (مصر: مكتبة محمد المليجي الكتبي وأخيه)، ج:1، ص:69

[11] الهداية إلى بلوغ النهاية، ج:2، ص:1370

[12] يوسف بن عبدالله بن محمد (المتوفى: 463هـ)، جامع بيان العلم وفضله، ج:1، ص:150

[13] الغزالي، محمد بن محمد (المتوفى: 505هـ)، إحياء علوم الدين، (بيروت، دار المعرفة)، باب: فَضِيلَةُ التَّعْلِيمِ، ج:1، ص:9

[14] ابن ماجة، محمد بن يزيد، سنن ابن ماجه، بَابُ فَضْلِ الْعُلَمَاءِ وَالْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ، رقم الحديث:222

[15] أحمد بن علي بن ثابت (المتوفى: 463هـ)، الفقيه والمتفقه، ج:1، ص:105

کے وارث ہیں-انبیاء دینار اور درہم نہیں چھوڑتے، بے شک وہ علم ورثہ میں چھوڑتے ہیں جس نے علم حاصل کیا اس نے وافر حصہ لیا"۔[16]

علماءِ سُو (بے عمل علماء) کے بارے میں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ"[17]

"اُن لوگوں کا حال جن پر تورات (کے احکام و تعلیمات) کا بوجھ ڈالا گیا پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا (یعنی اس میں اِس رسول (ﷺ) کا ذکر موجود تھا مگر وہ اِن پر ایمان نہ لائے) گدھے کی مِثل ہے جو پیٹھ پر بڑی بڑی کتابیں لادے ہوئے ہو، اُن لوگوں کی مثال کیا ہی بُری ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا ہے، اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا"۔

"ویوز بڑھانے کیلئے" شدت پسندانہ گفتگو کرنے والے آجکل کے سوشل میڈیائی نام نہاد سکالروں کو ذہن میں رکھیں اور حضرت عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) سے مروی فرمانِ رسول (ﷺ) دیکھیں:

"عالموں کی وفات کے ذریعے علم دین ختم ہو جائے گا اور لوگ انتہائی جاہل اشخاص کو اپنا سردار بنالیں گے اور ان سے جا کر مسائل پوچھیں گے-وہ جاہل بغیر علم کے فتویٰ دیں گے-خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے"۔[18]

بلاشبہ اس سے پہلے ذکر کی گئی روایات مبارکہ علم و عالم کی فضیلت پہ روشن دلیل ہیں لیکن یاد رہے کوئی بھی چیز چاہے وہ کتنی ہی مفید و پائیدار کیوں نہ ہو جب تک اس کے تقاضے پورے نہ کیے جائیں انسان اس سے کماحقہ فائدہ حاصل نہیں کر سکتا بلکہ وہ چیز بعض اوقات اس کے لیے وبال جان بن جاتی ہے جیسا کہ کشتی، گاڑی و جہاز وغیرہ سفر کے لحاظ سے انسان کیلئے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں لیکن جب آپ اس کو صحیح طریقے سے قاعدے اور قانون کے مطابق نہیں چلائیں گے تو نہ صرف آپ اس کے فوائد سے محروم رہ جائیں گے بلکہ یہی گاڑی آپ کیلیے جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے-یہی حال علم کا بھی ہے کہ بلاشبہ علم بہت بڑی نعمت اور انبیاء کرام (علیہم السلام) کی میراث ہے لیکن جب اس کے تقاضے پورے نہ کیے جائیں یعنی اس کو صحیح سمجھ کر اس پر عمل نہ کیا جائے تو یہ علم انسان کو بجائے اللہ عزوجل کا قرب بخشنے کے اس کو بارگاہ خداوندی سے دور بھی کر سکتا ہے-جیسا کہ مولانا رومی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

"علم کی غرض و غایت اگر صرف ظاہر سنوارنا ہے تو یہ تیرے لئے سانپ ہے اور اگر تو اس سے اپنا من سنوارے گا تو یہ تیرا دوست ہے"۔

اسی چیز کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ محمد اقبال (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کف جو

ناچیز مصرعہ ثانی کو ایسے بھی پڑھتا ہے:

جس علم کا حاصل ہے جہاں میں یوٹیوب کے ویوز

علم اور علم حاصل کرنا خود ایک نعمت ہے لیکن اس حقیقی نعمت کا فائدہ تب ہو گا جب اس پر عمل ہو گا جیسا کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ:

"ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا، اے ابن عباس (رضی اللہ عنہ) میں چاہتا ہوں کہ نیکی کا حکم دوں اور برائی سے منع کروں کیا میں اس طرح تبلیغ کا حق ادا کروں گا- حضرت عبد اللہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا: میں امید کرتا ہوں، نیز فرمایا اگر تجھے تین آیات قرآنیہ سے رسوائی کا خدشہ نہیں ہے تو ضرور ایسا کر-اس شخص نے پوچھا وہ آیات کون سی ہیں فرمایا:

[16] احمد بن محمد بن حنبل، مسند الإمام أحمد بن حنبل، (بیروت، مؤسسة الرسالة، 1421ھ)، حَدِيثُ أَبِي الدَّرْدَاءِ، رقم الحديث: 21715

[17] الجمعة: 5

[18] صحيح البخاري، بَابٌ: كَيْفَ يُقْبَضُ العِلْمُ، رقم الحديث: 100

"اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ"

"کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو"۔

کیا یہ آیت تو نے سمجھ لی ہے اس نے کہا نہیں- فرمایا دوسری آیت یہ ہے:

"لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ"

"کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے- کتنی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو"۔

کیا یہ آیت تو نے سمجھ لی ہے (اور اس پر عمل کر لیا ہے) اس نے کہا نہیں- فرمایا تیسری آیت یہ ہے جو حضرت صالح (علیہ السلام) کا قول ہے:

"وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ"

"اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں میں اس کے خِلاف کرنے لگوں"۔

کیا یہ آیت تو نے سمجھ لی ہے اس نے کہا نہیں تو حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا پھر تبلیغ اپنے نفس سے شروع کر"۔[19]

حضرت اُسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) بیان فرماتے ہیں کہ میں نے سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا:

"قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا- (شدتِ عذاب کی وجہ سے) اس کے پیٹ کی آنتیں دوزخ میں گر پڑیں گی- پھر وہ اس طرح گردش کرے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد چکر لگاتا ہے- اہلِ دوزخ اس کے گرد جمع ہو کر پوچھیں گے: اے فلاں شخص! تمہاری یہ حالت کیوں کر ہے؟ کیا تم ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے اور برائی سے منع نہیں کرتے تھے؟ وہ شخص جواب دے گا: ہاں میں تمہیں تو نیکی کا حکم دیتا تھا لیکن خود نیکی نہیں کرتا تھا اور میں تمہیں تو برائی سے روکتا تھا لیکن خود برے کام کرتا تھا"۔[20]

حضرت عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

"جو نہیں جانتا اس کے لیے ہلاکت ہے، کہ اگر اللہ چاہتا تو اسے علم عطا فرماتا اور جو جانتا ہے پھر عمل نہیں کرتا اس کے لیے سات مرتبہ ہلاکت ہے"۔[21]

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"معراج کی رات میرا گزر ایسے لوگوں پر سے ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچی سے کاٹے جا رہے تھے- حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: میں نے کہا کہ یہ کون ہیں؟ تو فرشتوں نے عرض کی: یہ دنیا دار (پیشہ ور) خطیب ہیں جو لوگوں کو تو نیکیوں کا حکم کرتے تھے لیکن خود کو بھول جاتے تھے (یعنی بے عملی کرتے تھے) حالانکہ وہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے تھے- کیا وہ عقل نہیں رکھتے تھے؟"[22]

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"جس نے وہ علم جو محض اللہ عزوجل کی خاطر حاصل کرنا چاہیے، کسی دنیاوی مقصد کی خاطر حاصل کیا، وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا"۔[23]

حضرت جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے:

"علم اس لیے حاصل نہ کرو کہ علماء سے مناظرے کرو گے، سادہ لوگوں سے بحث کرو گے اور مجلس کو اپنی طرف متوجہ کرو گے جو شخص ایسا کرے گا وہ جہنم کا مستحق ہے"۔[24]

حضرت امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) نے علمائے سُوء کے ایک گروہ کے بارے امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم (رضی اللہ عنہ) کے فرزند کا قول نقل فرمایا ہے:

"حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) ان (خوارج) کو اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق سمجھتے تھے- (کیونکہ) انہوں نے

[19] البیهقی، أحمد بن الحسین، شعب الایمان، ایڈیشن اول، (الریاض: مکتبة الرشد للنشر والتوزیع، 1423ھ)، ج:10، ص:60، رقم الحدیث:7162

[20] صحیح البخاری، کِتَاب بَدْءِ الخَلْقِ، رقم الحدیث:3267

[21] احمد بن حنبل، (المتوفی: 241ھ)، الزهد، الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت (ایڈیشن اولی: 1999م)، ج:1، ص:131، رقم الحدیث:868

[22] مسند الإمام أحمد بن حنبل، مُسْنَدُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رقم الحدیث: 12211 ج:19، ص:224

[23] ابوداؤد، سلیمان بن الأشعث، سنن أبي داود بَابٌ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ لِغَيْرِ اللهِ تَعَالىٰ، رقم الحدیث:3664

[24] حاکم، محمد بن عبد اللّٰه، المستدرک علی الصحیحین، کتاب العلم، رقم الحدیث:290

اللہ تعالیٰ کی ان آیات کو لیا جو کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں اور ان کا اطلاق مومنین پر کرنا شروع کر دیا"۔[25]

حضرت امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) اور امام ابن حبان (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت حذیفہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے (مسلمانوں پہ شرک کا الزام لگانے والے علمائے سُوء کے بارے) ارشاد فرمایا:

"بے شک مجھے جس چیز کا تم پر خدشہ ہے وہ ایک ایسا آدمی ہے جس نے قرآن پڑھا یہاں تک کہ جب اس پر اس قرآن کا جمال دیکھا گیا اور وہ اس وقت تک جب تک اللہ نے چاہا اسلام کی خاطر دوسروں کی پشت پناہی بھی کرتا تھا۔ پس وہ اس قرآن سے دور ہو گیا اور اس کو اپنی پشت پیچھے پھینک دیا اور اپنے پڑوسی پر تلوار لے کر چڑھ دوڑا اور اس پر شرک کا الزام لگایا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی (ﷺ)! ان دونوں میں سے کون شرک کے قریب تھا، شرک کا الزام لگانے والا (نام نہاد عالم) یا جس (عام مسلمان) پر شرک کا الزام لگایا گیا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: شرک کا الزام لگانے والا"۔[26]

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"آخری زمانہ میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو دنیا کو دین کے ذریعے حاصل کریں گے، لوگوں کے سامنے بھیڑ کی کھالوں کا نرم لباس پہنیں گے۔ ان کی زبانیں شکر سے زیادہ شیریں ہوں گی اور ان کے دل بھیڑیوں کے دلوں کی طرح (خونخوار) ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا یہ لوگ مجھے دھوکہ دینا چاہتے ہیں یا مجھ پر دلیری کرتے ہیں؟ (کہ مجھ سے نہیں ڈرتے) مجھے اپنی (ذات کی) قسم! جو لوگ ان میں سے ہوں گے، میں ضرور ان پر ایسے فتنے بھیجوں گا جو ان میں سے بردبار لوگوں کو بھی حیران کر دیں گے"۔[27]

ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"روزِ قیامت لوگوں میں سب سے شدید عذاب میں مبتلا وہ عالم ہو گا جسے اُس کے علم نے نفع نہ دیا ہو گا"۔[28]

اس لیے صوفیاء کرام نے ہمیشہ علم ظاہر کے ساتھ علم باطن پہ زور دیا ہے سُلطان العارفین حضرت سخی سُلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) "نور الھدیٰ" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"جان لے کہ آدمی اپنے ظاہر کو اور اپنی زبان کو علمِ فضیلت سے آراستہ رکھتا ہے لیکن اپنے باطن کو تصدیقِ دل اور علمِ مشاہدہ سے بے خبر رکھتا ہے، لیکن جسے علمِ باطن حاصل نہیں وہ مطلق حیوان ہے۔ وہ شیطان کا قیدی اور مردہ دل ہے، اگرچہ ظاہر میں اُس کی زبان پر علمِ نص و حدیث جاری رہتا ہے لیکن باطن میں وہ جاہل دیو ہوتا ہے، اُس کا نفس خبیث ابلیس کی طرح منافق ہوتا ہے"۔

شیخ امام احمد ابو العباس مُرسی (رحمۃ اللہ علیہ) کا قول ہے کہ:

"علم تو وہ ہے جو کہ دل میں یوں سرایت کر جائے جیسے سفید چیز میں سفیدی اور سیاہ چیز میں سیاہی"۔[29]

خلاصہ کلام:

اسلامی تعلیمات میں، علم کا مقصد صرف معلومات حاصل کرنا نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا بھی ہے۔ بے عمل علماء

[25] البخاری، محمدبن اسماعیل، الجامع الصحیح، استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالھم
[26] البخاری، محمدبن اسماعیل، التاریخ الکبیر، ج:4، ص:301،
ابن حبان، محمدبن احمد التمیمی البُستی، الصحیح، ج:1، ص:282، رقم الحدیث:81
[27] الترمذی، ابوعیسیٰ محمد، السنن، کتاب الزھد عن رسول اللّٰہ (ﷺ)، ج:4، ص:603، رقم الحدیث:2405
[28] الطبرانی، سلیمان بن أحمد، المعجم الصغیر، الناشر: المکتب الإسلامی، دار عمار۔بیروت، ج:1، ص:305، رقم الحدیث:507
[29] الشعرانی، الطبقات الکبری، ج:2، ص:14

سے مراد وہ ہیں، جنہوں نے دین کی تعلیمات کو صرف علم تک محدود رکھا لیکن اپنے اعمال میں اس پر عمل نہیں کیا اور جنہوں نے دین کے علم کو اپنی دنیا کیلئے استعمال کیا، جو کہ اسلامی اخلاقیات اور کردار کی روح کے منافی ہے- بے عمل اور ابن الوقت علماء ہر دور میں رہے ہیں جیسا کہ یزیدی دور میں تھے، لیکن موجودہ دور میں ان کی تعداد میں بہت اضافہ دیکھنے کو ملتا ہے اس کی نشاندہی فرماتے ہوئے خاتم النبیین (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے سوا اسلام کا کچھ باقی نہیں رہے گا- الفاظ کے سوا قرآن کا کچھ باقی نہیں رہے گا- اس زمانے کے لوگوں کی مسجدیں بظاہر تو آباد نظر آئیں گی لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی- علماء آسمان کے نیچے بسنے والی مخلوق میں سے بدترین مخلوق ہوں گے- ان میں سے ہی فتنے اٹھیں گے اور ان میں ہی لوٹ جائیں گے یعنی تمام خرابیوں کا وہی (علمائے سُوء) سرچشمہ ہوں گے“-[30]

کسی بھی عمل کی قبولیت اور اس کے اجر کا انحصار اس کی نیت پر ہوتا ہے- جیسا کہ آقا کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: ”اعمال کا دار و مدار نیتوں پہ ہے“ اس لیے ہم سب کو اپنے اعمال سر انجام دیتے وقت اپنی نیت اور قلبی رجحان کا ضرور محاسبہ کرنا چاہیے- ورنہ بعض اوقات پہاڑ جیسا عمل نیت میں اخلاص کے فقدان کی وجہ سے رائیگاں چلا جائے گا-

امام سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے: علم کا آغاز اس کی طلب ہے، پھر اس پر عمل کرنا، پھر خاموشی، پھر اس میں غور و فکر کرنا اور اگر اہل علم اس میں مخلص ہوں تو اس سے افضل کوئی عمل نہیں-

ہم اپنی معروضات کا اختتام محبوب سُبحانی سیدنا حضور شیخ عبد القادر الجیلانی الحسنی والحسینی (رضی اللہ عنہ) کے ان فرامین مبارکہ سے کرتے ہیں:

- اے واعظ! لوگوں کو وعظ کر اپنے باطن کی صفائی اور اپنے قلب کے تقوٰی سے اور اپنے ظاہر کو خوبصورت بنا کر ان کا واعظ مت بن کہ تیرا باطن بگڑا ہوا ہو-
- علم کتابوں سے حاصل نہیں ہوا کرتا بلکہ مردوں کے منہ سے حاصل ہوا کرتا ہے-[31]

- ”علم دو قسم کا ہے، ایک کا تعلق زبان سے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت ہے اپنے بندوں پر- دوسرے کا تعلق دل سے ہے اور یہی علم حصولِ مقصد کے لئے کارگر ہے- انسان کیلئے سب سے پہلے علمِ شریعت ضروری ہے تاکہ وہ اِس کے ذریعے عالمِ صفات میں اللہ تعالیٰ کی معرفتِ صفات حاصل کر سکے جس کے بے شمار درجے ہیں- اِس کے بعد ضرورت ہے علمِ باطن کی تاکہ اُس کے ذریعے روح عالمِ معرفت میں معرفتِ ذات حاصل کر سکے جو خلافِ شریعت و طریقت رسومات ترک کیے بغیر ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی- اِس کا حصول اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ محض رضائے الٰہی کی خاطر نمائش وریا سے پاک ریاضتیں اختیار نہ کی جائیں، جیسا کہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے:

”فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا“[32]

”جو لقائے الٰہی کا آرزو مند ہے اُسے چاہیے کہ اعمالِ صالحہ اختیار کرے اور اپنے ربّ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے“-[33]

☆☆☆

[30] البیھقی، أحمد بن الحسین، شعب الایمان، ایڈیشن اول، (الریاض: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، 1423ھ)، ج:3، ص:317، رقم الحدیث:1763

[31] بہجۃ الاسرار

[32] الکہف:110

[33] سر الاسرار

حضور نبی کریم ﷺ کا علم اور صوفیانہ استدلال

مفتی محمد منظور حسین

کائنات میں انسان پر جو ظاہر ہے یا مخفی ان تمام کو اللہ تعالیٰ کی ذات جانتی ہے کیونکہ وہ ذات "عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ"[1] ہے ہر نہاں اور عیاں کو جاننے والا ہے یہاں تک کہ دلوں کے اندر چھپے بھید بھی اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ "اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ"[2] بھی اسی کا فرمان عالی شان ہے۔ قرآن مجید کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو علم غیب سے متعلق دو طرح کی آیات بینات سامنے آتی ہیں ایک وہ آیات جن میں علم غیب کو اس نے اپنی ذات کیلئے بطور خاص ذکر کیا فرمان باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ"[3]

"تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے مگر اللہ"۔

دوسری طرح کی وہ آیات ہیں جن میں انبیاء (علیہم السلام) کے علم غیب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ"[4]

"اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے"۔

ایک چیز یاد رہے کہ پہلی آیت مبارکہ میں علم غیب اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت کے متعلق ہے۔ دوسری آیت میں انبیاء (علیہم السلام) کو علم غیب اللہ تعالیٰ کی خاص عطاء اور احسان کے نتیجے میں ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ لفظ غیب کا اطلاق کس چیز پہ ہوتا ہے:

"غیب" --- غاب یغیب --- سے مصدر ہے۔ جو چیز آنکھ سے مخفی ہو غیب کہلاتی ہے۔ امام ابن منظور الافریقی "لسان العرب" میں لفظ غیب کے تحت لکھتے ہیں:

"اور غیب ہر وہ چیز جو تم سے غائب ہو وہ غائب ہے۔ امام ابو اسحاق نے "يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ" کی تفسیر میں کہا ہے جو چیز متقین سے غائب تھی اور آقا کریم (ﷺ) نے ان کو اس کی خبر دی وہ غائب ہے جیسے مرنے کے بعد اٹھنا، جنت، دوزخ اور ہر وہ چیز جو ان سے غائب تھی اور آقا کریم (ﷺ) نے ان کو اس کی خبر دی وہ غائب ہے"۔[5]

اسی معنی کو امام زبیدی نے "تاج العروس" میں ذکر کیا ہے:

"علم غیب نبوت کا خاصہ ہے اس کے بغیر نبوت کا تصور کامل نہیں ہوتا کیونکہ نبی کا معنی ہی غیب کی خبریں دینے والا ہے"۔[6]

امام زبیدی تاج العروس میں نبی کا معنی ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضور نبی کریم (ﷺ) اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق خبر دینے والے ہیں پس بیشک اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی توحید کے بارے میں آگاہ فرمایا اور غیب پر انہیں مطلع فرمایا"۔[7]

پوشیدہ چیزوں پر مطلع ہونے سے متعلق مختلف اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں مثلاً: علم، غیب، کشف، مشاہدہ وغیرہ صوفیانہ نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو پوشیدہ امور پر اطلاع

---

[1] (الانعام:73)
[2] (آلِ عمران:118)
[3] (النمل:65)
[4] (آلِ عمران:179)
[5] (لسان العرب، ج:1، ص:767)
[6] (تاج العروس، ج:3، ص:311)
[7] (تاج العروس، ج:3، ص:295)

کا پانا روحانی پہلو سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ کو کس آنکھ نے دیکھا اور کس کان نے اس کے کلام کو سنا کس ہاتھ نے چھوا وہ ذات اس سے منزہ و مبرا ہے - اسی طرح قرآن کریم کے بارے میں غور کریں تو اسے لوح مکنون سے لوح محفوظ پر درج کیا گیا - کس نے لوح مکنون کو دیکھا؟ کس نے لوح محفوظ کا مطالعہ کیا؟ اور کس نے پیکر جبرائیل کو دیکھا اور جس ہستی اقدس کے قلب اطہر پہ اترا کس نے اس کا نظارہ کیا؟ اس سے واضح ہوا کہ یہ سارے کا سارا معاملہ باطن (غیب) سے تعلق رکھتا ہے - یہی وجہ ہے کہ آقا کریم (ﷺ) نے حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے فرمایا:

”اے عائشہ! بیشک میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا“-[8]

”ترمذی شریف“ کی حدیث میں حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) نے روایت کی ہے کہ:

”ایک دن حضور نبی کریم (ﷺ) نماز فجر کیلئے طلوع آفتاب کے قریب تشریف لائے اور نماز فجر جلدی ادا فرمانے کے بعد فرمایا کہ آج میں نماز تہجد کے بعد گہری نیند سو گیا - پس میں اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد (ﷺ) تو میں عرض کی لبیک اے میرے پروردگار فرمایا: ”فرشتوں کی اونچے مرتبے والی جماعت“ کس بارے میں جھگڑا کر رہے تھے؟ تو میں نے عرض کی ”لا ادری“ اس کو تین بار دہرایا پھر فرماتے ہیں:

”میں نے اپنے پروردگار کو دیکھا - اس نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا - جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی مجھ پر (کائنات کی) ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے سب کچھ پہچان لیا“-[9]

اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”حتیٰ کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے دست قدرت کی ٹھنڈک یعنی اس کی تاثیر کو اپنے سینے یا اپنے قلب اطہر میں پایا - پس ہر چیز روشن ہو گئی یعنی ہر چیز میرے لیئے منکشف اور ظاہر ہو گئی - جن اشیاء کے ظہور کو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے پسند فرمایا چاہے علوم علویہ تھے یا علوم سفلیہ، یا بطور خاص ملا الاعلیٰ درجات و کفارات (نماز با جماعت کی ادائیگی کیلئے مسجد کی طرف جانا، نماز کے بعد مسجد میں ذکر کیلئے بیٹھنا، احسن طریقے سے وضو کرنا، کھانا کھلانا، نرم لہجے میں بات کرنا، رات کو نماز ادا کرنا جب لوگ آرام کر رہے ہوں، بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا، ممنوعات کو ترک کرنا، مسکینوں سے محبت کرنا وغیرہ“-[10]

نوٹ: سنن ترمذی میں کفارات اور درجات سے متعلق ان چیزوں کو ذکر کیا گیا کہ ”ملا الاعلیٰ“ ان کے درجات و کفارات سے متعلق مخاصمہ کر رہے تھے -

امام ابن حجر کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ کہ:

”میں نے ہر چیز کو عین عیاں پہچان لیا یعنی کوئی چیز مجھ سے مخفی اور پوشیدہ نہ رہی“-[11]

اس حدیث پاک سے چند چیزیں واضح ہوئیں:

- علم غیب، کشف، مشاہدہ، عطیہ خداوندی ہے -
- غیب کا علم اللہ تعالیٰ نے انبیاء (علیہم السلام) کو عطا فرمایا اور بطور خاص حضور رسالت مآب (ﷺ) کی شانہ مبارک کے مابین اپنے دست قدرت کو رکھ کر غیبی امور پر مطلع فرمانا اور یہ حضور نبی کریم (ﷺ) کیلئے خاص ہے -
- امور غیبی پر اطلاع کی عنایت کیلئے سینہ نبوت اور قلب اطہر کو خاص کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ غیبی امور کے انکشاف و مشاہدہ کیلئے تنویر قلبی اور انشراح صدر تعلق باللہ سے نصیب ہوتے ہیں -
- معاملات کی گہرائی، تہہ اور حقیقت تک رسائی بھی تعلق خداوندی کے فیضان سے ممکن ہے -

---

[8] (صحیح البخاری، کتاب الصلوۃ صلوۃ التراویح)
[9] (سنن الترمذی، باب و من تفسیر سورۃ ص)
[10] (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ)
[11] (ایضاً)

- معرفت الٰہی اور قربِ خداوندی ہی وہ واحد راستہ اور ذریعہ ہے جس سے نجات ابدی، فلاح دارین اور استقامت دین وانوار ومشاہدات نصیب ہوتے ہیں-

جس سے نہ صرف حاضر وموجود کا انکشاف ہوتا ہے بلکہ ماضی ومستقبل کے احوال سے بھی آگاہی نصیب ہوتی ہے-

یہی وجہ ہے کہ حضور رسالت مآب (ﷺ) نے نہ صرف اس دور کے احوال ذکر کیے بلکہ پسِ پردہ یعنی دیوار کے پیچھے، گزشتہ کل اور آنے والے کل کے احوال و معاملات کی خبریں قبل از وقت بیان فرمائیں یہاں تک کہ تخلیق آدم سے قبل کے احوال وواقعات اور اپنے موجودہ دور کے احوال اور پھر علامات قیامت، روز محشر کے احوال حتی کہ پہلے اور آخری جنتی کے ساتھ ساتھ پہلے اور آخری جہنمی کی کیفیات تک کو بھی ذکر فرمایا جس کی تصدیق قرآن کریم کے مختلف مقامات سے متعدد آیات میں ملتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا“[12]

”اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ“-

جمہور مفسرین کرام اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

”امت محمدیہ (ﷺ) کو تمام امتوں پر گواہ کے طور پر کل قیامت کے دن لایا جائے گا-جب وہ امتیں اس امت کی گواہی پر انکار کریں گی کہ یہ امت تو سب سے آخر میں بھیجی گئی یہ کیونکر گواہ ہو سکتی ہے تو اس وقت امت محمدیہ (ﷺ) کی گواہی پر مہر ثبت کرنے اور تصدیق کرنے کیلئے آقا کریم (ﷺ) کو بطور گواہ لایا جائے گا-

دیکھیے تفسیر مظہری، تفسیر قرطبی، تفسیر حاشیہ صاوی علی الجلالین، تفسیر خازن، تفسیر بیضاوی، تفسیر روح البیان وغیرہ-

”تفسیر ابن عربی“ میں علامہ ابن العربی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ حضور رسالت مآب (ﷺ) کی شہادت / گواہی کا معنی یہ ہے کہ:

”تمام امتوں پر آپ (ﷺ) کا مطلع ہونا نور توحید کے سبب ہے کہ تمام انبیاء (علیہم السلام) کے ادیان برحق ہیں اور آپ ہر دین دار کے حق ہونے اور صداقت پر ہونے کی کامل معرفت رکھتے ہیں اور جو باطل پر مبنی ہیں اور حق سے دور ہیں ان کی بھی کامل معرفت رکھتے ہیں“-

اس کی وجہ نور توحید ربوبیت ہے جس نور کے سبب حجابات اٹھا دیے گئے اور تمام امتوں کے احوال کا مشاہدہ آپ (ﷺ) نے فرمایا- یہاں تک کہ امام ابن عربی فرماتے ہیں:

”پس (حضور رسالت مآب ﷺ) پہلی تمام امتوں کے گناہوں کو، ان کے ایمان کی کیفیات، ان کے اعمال، ان کی نیکیوں، ان کی برائیوں، ان کے اخلاص، ان کے نفاق اور ان کے دیگر تمام احوال کو نور حق یعنی معرفت الٰہی کے نور کے سبب پہچانتے ہیں اور حضور رسالت مآب (ﷺ) کی امت تمام امتوں کو اور ان کے احوال کو نور مصطفوی (ﷺ) کے سبب پہچانتی ہے“-[13]

یاد رہے کہ اعمال دو طرح کے ہیں:

1-طاعت 2-معصیت

طاعت: طاعت و فرمانبرداری میں بعض عمل انفرادی طور پر بجالاتے ہیں جیسے ذکر واذکار، تسبیح و تحلیلات، رات کی تنہائی میں اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونا، خفیہ صدقہ وخیرات کرنا وغیرہ اور بعض اعمال اجتماعی طور پر بجالائے جاتے ہیں جیسے نماز، ارکان حج وغیرہ-

معصیت: نافرمانی والے امور اکثر و بیشتر انسان چھپ کے کرتا ہے کہ اسے کوئی دیکھ نہ پائے-

---

[12](البقرہ:143)

[13](تفسیر ابن عربی، زیر آیت البقرہ:143)

صوفیاء کرام کے نقطہ نظر سے جو کہ قرآن وسنت سے ماخوذ ہے سے واضح ہوتا ہے کہ حضور رسالت مآب (ﷺ) تمام احوال کو خواہ وہ ظاہر ہوں یا مخفی ہوں، اللہ تعالیٰ کی عطا سے، پہچانتے ہیں چاہے طاعت سے متعلق ہوں یا معصیت سے متعلق-

کیونکہ نور معرفت کے جس درجہ پر حضور رسالت مآب (ﷺ) فائز ہوئے وہ کسی دوسرے کا نصیبہ نہ ٹھہرا- سراج منیر وہ روشن چراغ ہے جو زمین کی تہوں میں چھپے ذرات اور آسمان میں چمکنے والے ستاروں کی تعداد اور حرکات و سکنات سے بھی واقف ہے اور یہ سب نور معرفت توحید و ربوبیت کی روشنی ہے جو دلوں میں چھپے رازوں سے بھی روشناس کرا دیتی ہے- جس کی تائید و توثیق شیخین کی جمع کردہ احادیث صحیحہ بخاری و مسلم بلکہ ائمہ صحاح ستہ، ائمہ سنن و مسانید سے ہوتی ہیں- جنہوں نے ذخیرہ کتب احادیث میں حضور نبی کریم (ﷺ) کے علم غیب پر پورے پورے ابواب باندھے- جس میں جنتیوں اور جہنمیوں کے اسماء ان کے آباؤ اجداد کے نام، قبیلے کے نام مرقوم تھے- ان کتابوں تک کا ذکر کیا اور ان کے اعمال کا بھی ذکر کیا- زمین میں چھپے خزانوں کا ذکر، سامنے اور پیچھے برابر دیکھنے، دل میں ایمان کی کیفیات، نفاق کی کیفیات، یہاں تک کہ ظاہر وپوشیدہ تمام تر احوال واعمال کا ذکر کیا گیا ہے-

صوفیاء کرام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے علم غیب سے متعلق قطعی اور یقینی نظریہ رکھتے ہیں جیسا کہ علامہ روز بہان بقلی الشیرازی ’’تفسیر عرائس البیان‘‘ میں ’’وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ‘‘ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’مخلوق کی عاقبت کے تمام تر علوم آپ کو عطاء کر دیئے گئے جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو گا‘‘-[14]

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

’’وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ‘‘ کا معنی یہ ہے کہ آپ کو تمام خفیہ امور کا علم عطاء کیا گیا اور دل میں چھپے رازوں پر آپ (ﷺ) کو مطلع کیا گیا‘‘-[15]

امام ابو العباس احمد بن محمد بن مہدی ابن عجیبہ حسینی تفسیر البحر المدید میں تحقیق کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’امام نسفی کا قول ذکر کرتے ہیں کہ حاصل کلام یہ ہے کہ بیشک حضور نبی کریم (ﷺ) کا علم غیب پر مطلع ہونا قطعی ہے اور غیر نبی کا علم غیب پر مطلع ہونا ظنی ہے- کیونکہ بیشک اللہ تعالیٰ نے غیب پر اطلاع پانا انبیاء کرام کے ساتھ خاص کیا ہے جبکہ ان کے علاوہ کے ساتھ خاص نہیں کیا‘‘-[16]

پیران پیر محی الدین سیدی شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) تفسیر الجیلانی میں فرماتے ہیں:

’’آپ (ﷺ) پر اللہ تعالیٰ نے حقائق و معارف، اسرار و رموز ظاہر فرمائے اور ظاہر و باطن سے متعلق تمام تر اشارات منکشف فرمائے- مطلقاً غیر کی طرف متوجہ ہونے سے بچنے کا ہنر اور ڈھنگ عطاء کیا اور آپ اس کو بیان کرنے میں بخل نہیں فرماتے بعد اس کے آپ کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے تبلیغ وترویج کا حکم فرمایا‘‘-[17]

یعنی آپ جن اسرار و رموز، حقائق و معارف اور امور غیبیہ جیسے احوال کا مشاہدہ فرماتے ہیں ویسے ہی اپنے فیضان نبوت سے اپنی امت کے خاص لوگوں کو اس راز سے شرف یاب اور فیض یاب فرماتے ہیں-

اس کی مزید وضاحت و صراحت آپؒ ’’سر الاسرار فی ما یحتاج الیہ الابرار‘‘ میں فرماتے ہیں کہ آقا کریم (ﷺ) کا فرمان ہے:

’’علم کا ایک حصہ پوشیدہ رکھا گیا جسے علماء ربانیین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا- یہ وہ راز ہے جسے معراج کی شب حضور نبی کریم (ﷺ) کے قلب اطہر پر 30 ہزار پردوں میں سے انتہائی گہرے پردے میں ودیعت فرمایا

[14](عرائس البیان، ج:1، ص:274)
[15](تفسیر خازن، ج:1، ص:426)
[16](البحر المدید، ج:8، ص:161)
[17](تفسیر جیلانی، ج:6، ص:304)

گیا- کسی ایک کو بھی اس راز سے شناسائی نہ ملی سوائے مقرب صحابہ کرام اور اصحاب صفہ (رضی اللہ عنہم) کے-[18]

علامہ روز بہان بقلی الشیرازی "تفسیر عرائس البیان" میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے غیبی مشاہدات و انوار کو پوشیدہ رکھا سوائے انبیاء اور مرسلین، صدیقین جو کامل عقل والے، صفائے قلب رکھنے والے عارفین اور توحید پرست صاحب اسرار موحدین کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے غیب سے شرف یاب فرمایا اور یہی وہ کاملین ہیں جو اہل مکاشفہ، اہل فراست اور اہل مشاہدہ قرار پائے"-[19]

یہی وجہ ہے کہ حضرت سلطان حق باھو (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی تصنیف لطیف عقل بیدار شریف میں فرماتے ہیں:

"غیب کا علم خداوند پاک کا خاصہ ہے اور وہ اپنے خاص بندوں کو وہ خاص علم پڑھاتا ہے جیسا کہ علمِ لدنی جو دل کے اندر دلیل کی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور بعض کو اُس کی آگاہی قربِ قدرتِ اِلٰہ سے الہام و پیغام کے ذریعے ہوتی ہے- یہ راہ حضرت محمدِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عطا سے حاصل ہوتی ہے- جو کوئی اِس کا انکار کرتا ہے وہ مردود و روسیاہ و مردہ دل ہے اور عزو جاہِ دنیائے مردار کا طالب ہے"-[20]

اولیاء کاملین، صوفیاء کرام نے قرآن و سنت کے پیرائے میں اپنی تعلیمات میں حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے علم غیب سے متعلق یہی واضح فرماتے ہیں کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور مخلوقات میں سے کوئی بھی اس سے واقف اور آگاہ نہیں ہوسکتا سوائے اس کے جسے خود ذات باری تعالیٰ آگاہ فرمائے اور قرآن کریم میں متعدد آیات بینات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت "خبیر" کا ذکر فرمایا یعنی خبر دینے والا یہاں تک کہ سورۃ لقمان کی آخری آیت اس میں علوم خمسہ یعنی قیامت کا علم، بارش کا علم، ماں کے بطن میں اولاد کا علم، کون سی جان کیا کمائے گی اور کون کہاں فوت ہوگا کا علم جس کو اللہ تعالیٰ نے "ان اللہ عندہ علم" اپنی ذات کے ساتھ خاص کیا اسی آیت مبارکہ کے آخری کلمات میں ارشاد فرمایا "ان اللہ علیم خبیر" بیشک اللہ جاننے والا اور بتانے والا ہے سے واضح ہوتا ہے کہ اس ذات اقدس نے اپنے برگزیدہ انبیاء کرام (علیہم السلام) اور خاص کر امام الانبیاء حضور رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان تمام علوم سے آگاہی بخشی جسے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مختلف مواقع و مقامات پر اپنے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو اس سے آگاہ فرمایا- جس پر احادیث مبارکہ شاہد و گواہ ہیں- یقیناً یہ فیض نبوت رکنے اور تھمنے والا نہ تھا اور نہ ہے جسے خلفاء راشدین کی عملی زندگی سے لے کر صوفیاء کرام کی مشاہداتی و مکاشفاتی سیرت طیبہ اور حیات مبارکہ میں مشاہدہ کیا جاتا رہا اور قیامت تک کیا جاتا رہے گا- طوالت کے پیش نظر علم غیب سے پردہ کشائی کا تذکرہ ممکن نہیں ورنہ غیبی واردات اور مشاہدات سے کتب بھری پڑی ہیں- آج بھی اہل نظر صفائے قلب اور جلائے روح سے پس دیوار اور پس پردہ دیکھ بھی لیتے ہیں اور آنے والے کل کی خبر بھی دیتے ہیں- انسان کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنے مالک حقیقی سے اپنی عملی زندگی کا رشتہ ناطہ استوار کرے تاکہ کثافتوں سے نکل کر لطافتوں کے انوار کو پائے اور غیب الغیب ذات اپنے پروردگار کی معرفت و قربت کا سامان مہیا کرے-

جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب دنیا کے طول و عرض میں اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین کی صورت میں قرب خداوندی کے اسی پیغام کو عام فرمارہے ہیں کہ آئیں اور فیض نبوت کے علوم ظاہری و باطنی کے وارث بنیں اور اپنے تن کے ساتھ من کی دنیا کو آباد کریں-

☆☆☆

[18](سر الاسرار فی ما یحتاج الیہ الابرار، ص:78)
[19](تفسیر عرائس البیان، ج:3، ص:460)
[20](عقل بیدار، ص:43)

غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی پر ایک نظر

مستحسن رضا جامی
لیکچرر: گورنمنٹ گریجویٹ کالج جوہر آباد

نعت کا میدان بے حد وسیع ہے- حضور نبی کریم (ﷺ) کی شانِ اقدس میں جتنا لکھا جائے وہ کم ہے- اگر مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم شعراء کے ہاں نعت گوئی کے ضمن میں حضور نبی کریم (ﷺ) کی شان کے حوالے سے نعتیہ ادب کی روایت کا جائزہ لیا جائے تو ایک طویل روایت سامنے آتی ہے-اس روایت میں کئی سو شعراء ہیں - اس روایت میں ہندو، سکھ، عیسائی، بدھ مت حتیٰ کہ انگریز یورپی بھی شامل ہیں- ان شعراء کے ہاں آقا کریم (ﷺ) کی نعت گوئی کے حوالے سے بہت منفرد مضامین ملتے ہیں- بعض جگہوں پر یہ اندازہ لگانا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ واقعی کسی غیر مسلم کا کلام ہے-

غیر مسلم شعراء کے ہاں نعت گوئی کی روایت کئی سو برس پر محیط ہے اس حوالے سے ڈاکٹر ریاض مجید کی رائے بہت اہمیت کی حامل ہے:

"برصغیر میں غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کی روایت کا آغاز جنوبی ہند سے ہوا- مسلمان شاعروں کی طرح ہندو اور سکھ شعراء نے عقیدت و محبت کے اظہار میں حضور اکرم (ﷺ) کی سیرت و نعت کو بھی اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا- لچھمی نرائن شفیق کا"معراج نامہ" اور راج مکھن لال مکھن کا نعتیہ کلام اس اظہارِ عقیدت کے ابتدائی نمونے ہیں - شفیق نے مثنوی کی ہیئت میں معراج کے واقعات شاعرانہ انداز میں رقم کیے ہیں- شعری التزام اور برجستگی ان کے اسلوب کی نمایاں خصوصیات ہیں- جبکہ راجہ مکھن لال نے اپنی نعتوں میں عربی کلام اور قرآن و حدیث کے حوالے بھی دیے ہیں- خلوصِ عقیدت اور حضور اکرم (ﷺ) سے نجات و شفاعت طلبی کے مضامین ان کے ہاں عام ہیں"-[1]

دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کے ضمن میں روایت کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ غیر مسلم شعراء کی تعداد سینکڑوں میں ہے-

نمایاں غیر مسلم نعت گو شعراء میں آرزو سہارنپوری سادھو رام، اختر ہری چند، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، ادب سیتا پوری کنور، سورج نرائن سنہا، آشفتہ دہلوی پنڈت امر ناتھ، آنند جگن ناتھ پرشاد، پنڈت رگو ناتھ سہائے، پنڈت اندر جیت شرما، بکل امر تسری برج گوپی ناتھ، بسنت لال، تلسی داس، تفتہ ہر گوپال، تمیز لکھنوی گنگا سہائے، جان رابرٹ، جست سیر ام پوری، بشن نرائن، خار دہلوی پنڈت رتن موہن زتشی، خیال چندر بھان، دلو رام کوثری، درد جگدیش مہتہ، دل منوہر لال، رضا کالی داس گپتا، کالکا پرشاد، عرش ملیسانی، کرشن موہن لال، ماتھر لکھنوی، مہاراجہ سر کشن پرشاد، مہندر سنگھ بیدی، کیفی دہلوی چندر بھان، محروم پروفیسر تلوک چند اور پروفیسر نذیر قیصر شامل ہیں-

اسی طرح کتابوں کا تذکرہ کیا جائے تو فانی مراد آبادی کا مرتب کردہ انتخاب "ہندو شعراء کا نعتیہ کلام" عارف پبلشنگ ہاؤس لائل پور سے 1963 میں شائع ہوا جس میں ہندو شعراء کے کلام کا جائزہ ہے- محمد محفوظ الرحمن کا مرتبہ مجموعہ "ہندو شعرا دربارِ رسول (ﷺ) میں" گلشنِ ابراہیمی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا - محمد الدین فوق کا مرتبہ انتخاب "اذانِ بت کدہ" بھی اہم ہے -عبد المجید خان سوہدری کا مرتبہ انتخاب "ہندو شعراء کا نعتیہ کلام" بھی قابلِ ذکر ہے- "بہر زماں بہر زباں" نور احمد میرٹھی کی لکھی ہوئی مفصل کتاب ہے- جس میں غیر مسلم شعراء کے نعتیہ گوئی کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے- یہ کتاب ادارۂ فکر نو کراچی سے 1996 میں شائع ہوئی ہے جس کے کل 685 صفحات ہیں اور 336 شعراء کے نعتیہ کلام

[1] ریاض مجید، ڈاکٹر، اردو میں نعت گوئی، لاہور، اقبال اکادمی، 1990، صفحہ 567-

کو یکجا بھی کیا گیا ہے اور مدلل تعارف بھی دیا گیا ہے-ڈاکٹر اظہار احمد گلزار کی کتاب "سارا عالم ہے منور آپ (ﷺ) کے انوار سے" حق پبلی کیشنز لاہور سے 2009 میں شائع ہوئی جو کہ 366 صفات پر مشتمل ہے اور 257 غیر مسلم شعراء کے کلام پہ بات کی گئی ہے-اسی طرح ایک اور کتاب کا نام "نعت گویان غیر مسلم" ہے-اس کے مصنف پروفیسر طرزیؔ ہیں-یہ کتاب 2018 میں آئی بی ایس بک سٹور پرائیویٹ لمیٹڈ دریا گنج نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے-اس کتاب کے کل 285 صفحات ہیں اور 372 شعراء کے کلام کا جائزہ لیا گیا ہے- ان مرتبہ و تالیف کردہ کتب کے علاوہ بھی کئی نمایاں ادبی و مذہبی رسائل میں غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے-غیر مسلم شعراء کے ہاں خاتم النبیین (ﷺ) کی ذات مقدسہ کو پیش کئے گئے خراجِ تحسین کی عملی مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں-

آرزو سہارن پوری مادھو رام کا ہدیہ عقیدت:

ازل ہی سے محمد (ﷺ) کی ثنا خواں ہے زباں میری
بیاضِ صبحِ ہستی پر لکھی ہے داستاں میری
تیرے محبوب کی مدح و ثنا مقصود ہے مجھ کو
دھلا دے آبِ کوثر سے کوئی یا رب زباں میری

جگن ناتھ آزاد ادبی حلقوں کی معروف شخصیت تھے-اُن کی محبت و عقیدت کا رنگ ملاحظہ ہو:

مجھے لکھنا ہے اک انسانیت کا بابِ تابندہ
منور جس کے ہوں الفاظ مصرعے جس کے رخشندہ
مجھے اک محسنِ انسانیت (ﷺ) کا ذکر کرنا ہے
مجھے رنگِ عقیدت فکر کے خاکے میں بھرنا ہے

☆☆☆☆☆

سلام اُس ذاتِ اقدس پر سلام اُس فخرِ دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اُس پر جو حامی بن کے آیا غم نصیبوں کا
رہا جو بے کسوں کا آسرا مشفق غریبوں کا

آنند پنڈت جگن ناتھ پرشاد کا اظہارِ محبت:

مدحِ حُسنِ مصطفٰی (ﷺ) ہے ایک بحرِ بے کراں
اُس کے ساحل تک کوئی شیریں بیاں پہنچا نہیں
نیک و بد کی ہے خبر تُو واقفِ کونین ہے
ہے پہنچ تیری جہاں وہم و گماں پہنچا نہیں

ٹھاکر بوا سنگھ کا اندازِ فکر بھی دیکھئے (اس نعت کے بارے منقول ہے کہ شاعر کی بینائی رُخصت ہوگئی تھی، تو اس نے ایک مسلمان حاجی کے ہاتھ یہ نعت لکھ کر مدینہ منورہ بھیجی کہ روضہء اقدس کے باہر سلام دے کر پڑھ دیجئے گا، ایک دن شاعر نے لوگوں کو کہا کہ آج میری نعت روضہ شریف پڑھ دی گئی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم؟ تو اس نے کہا میں اپنی بینائی لوٹتے ہوئے محسوس کر رہا ہوں - اور معجزانہ طور پہ وقت کے ساتھ ان کی گئی ہوئی بینائی لوٹ آئی):

اتنا کرم ہو آنکھ میں آ جائے روشنی
کہنا صبا یہ جا کے پیغمبر (ﷺ) کے سامنے
جس در سے آج تک کوئی لوٹا نہ خالی ہاتھ
دستِ طلب دراز ہے اُس در کے سامنے

اختر ہری چند شانِ رسالت مآب (ﷺ) میں یوں لکھتے ہیں:

کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا

آزاد سونی پتی رادھا کشن کا منفرد رنگِ عقیدت:

فروغِ دین و ایماں عظمت و شان رسالت (ﷺ) ہے
اُسی کی ذات سے روشن جہاں میں شمعِ وحدت ہے
اُسی کے دم سے دنیا میں عروجِ آدمیت ہے
محمد مصطفٰی (ﷺ) سے مجھ کو بھی دل سے عقیدت ہے

برق بھگوان داس لکھتے ہیں:

تری خاکِ پائے مقدس کو پہنچے
نہ دارا نہ خسرو نہ جم یا محمد (ﷺ)
ترا حُسنِ سیرت جو تحریر کر دے
کہاں سے وہ لاؤں قلم یا محمد (ﷺ)

بیدار کرپال سنگھ کی محبت کا زاویہ:

اے کہ تجھ سے صبحِ عالم کو درخشانی ملی
ساغرِ خورشید کو صہبائے نورانی ملی
حاکم و محکوم کو تُو نے برابر کر دیا
ذرۂ ناچیز کو ہم دوشِ اختر کر دیا

پرشاد حیدر آبادی راجہ پرشورام کا عارفانہ رنگ:

جس دن سے نگاہوں میں تصویرِ محمد (ﷺ) ہے
پنہاں دلِ مضطر میں تنویرِ محمد (ﷺ) ہے
ہم نے تو یہ سمجھا ہے ہم نے تو یہ جانا ہے
قران حقیقت میں تفسیرِ محمد (ﷺ) ہے

تارا لاہور تاراچند کا محبت کا اظہار:

نہیں تھا جز خدا کچھ پہلے اے تاراؔ محمد (ﷺ) سے
ہُوا ہے انتظام دو جہاں سارا محمد (ﷺ) سے
ملک بے تاب مجھ کو دیکھ کر کہتے ہیں فرقت میں
محبت کتنی رکھتا ہے یہ بے چارہ محمد (ﷺ) سے

تمیز لکھنوی گنگا سہائے حصول عشق کے متلاشی ہیں:

ہر دم تصورِ شہ بالا جناب ہو
لب پہ ہمیشہ ذکر رسالت ماب (ﷺ) ہو
ثانی تمہارا دونوں جہاں میں نہیں کوئی
یا رب حصولِ عشق رسالت ماب (ﷺ) ہو

جان رابرٹ کی عقیدت کا منفرد پہلو:

ہے عرش پہ قوسین کی جا جائے محمد (ﷺ)
رشکِ یدِ بیضا ہے کفِ پائے محمد (ﷺ)
عیسیٰ سے ہے بڑھ کر لب گویائے محمد (ﷺ)
یوسُف سے ہے بڑھ کر رخِ زیبائے محمد (ﷺ)

جست سیر ام پوری بولائی جست لکھتے ہیں:

ہے نورِ خدا آبگینے کے اندر
خدا مل گیا ہے مدینے کے اندر
میرے دل کی تنویر کیا پوچھتے ہو
ہے نورِ نبی (ﷺ) اس نگینے کے اندر

جوہر بجنوری چندر پرکاش کی عقیدت کا رنگ:

اللہ رے عروجِ شبستانِ محمد (ﷺ)
ہے عرشِ بریں زینہ ایوانِ محمد (ﷺ)
لو مل ہی گیا حشر میں بخشش کا سہارا
ہاتھ آ ہی گیا گوشہ دامانِ محمد (ﷺ)

خار دہلوی پنڈت رتھن موہن ناتھ زتشی لکھتے ہیں:

دنیا تو کیا ہے دین کی دولت ترے نثار
جان عزیز ختم رسالت ترے نثار
تجھ کو ملا ہے سرورِ کونین کا لقب
دونوں جہاں کی عظمت و حرمت ترے نثار

"نورِ سخن" کے مؤلف نور احمد میرٹھی غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"غیر مسلم نعت گو شاعروں نے نہ صرف نبی برحق سے انتہائی خلوص وعقیدت کا اظہار کیا ہے بلکہ اکثر شعراء نے حضوراکرم (ﷺ) کے دامنِ رحمت میں پناہ مانگی ہے- تمام شاعروں نے ادب و احترام کو ملحوظ رکھا ہے، بعض شعراء کے ہاں زبان و بیان کی گل افشانیاں بھی ہیں- اوراضطرابی کیفیات بھی- جذبات کی حدت بھی ہے اور محسوسات کی شدت بھی، فکری لہروں کی روانی بھی ہے اور تاریخ کی ورق گردانی بھی- جس سے پتا چلتا ہے کہ ان شعرا نے تعلیمات اسلامی اور سیرت النبی (ﷺ) کا بغور مطالعہ کیا ہے -اسی لیے بعض شعرا نے پیغمبرِ اسلام سے اپنے تعلق کا واضح اظہار کیا ہے-ایسے اشعار پاکیزگیِ جذبات کا بہترین نمونہ ہیں"-[2]

درد جگدیش مہتہ لکھتے ہیں:

اب عمر کا لنگر ٹوٹ گیا ہو مجھ پہ نظر یا شاہِ عربؐ
اعمال پہ پردۂ ظلمت ہے لو میری خبر یا شاہِ عربؐ
گو لطف نہیں ہے جینے میں جیتا ہوں مگر یا شاہِ عربؐ
ہے خوف سے لرزاں جسم مرا اور شق ہے جگر یا شاہِ عربؐ

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ کا منفرد اظہارِ محبت:

صاحب دل ہیں ثنا خوانِ رسول عربی (ﷺ)
دل ہی کیا جو نہ ہو قربانِ رسول عربی (ﷺ)
رہبر عقل ہے فرمانِ رسول عربی (ﷺ)
ہادی قلب ہے ایمانِ رسول عربی (ﷺ)

رازلائل پوری دھنپت رائے تھاپر کی عقیدت کا اظہار:

عاشق نہیں ہوں حسن جہان خراب کا
شیدا ہوں دل سے میں تو رسالت ماب (ﷺ) کا
ہے داستان آپ (ﷺ) کی ہر اک کتاب میں
ہے درج ہر جریدہ فسانہ جناب کا

---

[2] نور احمد میرٹھی، نورِ سخن، کراچی، ادارہ فکرِ نو، 1996، صفحہ 29

مزید کچھ شعرا کے کلام سے چیدہ چیدہ مثالیں ملاحظہ ہوں:

رائے اروڑہ رائے:

جان و دل سے ہیں فدائے احمدِ مختار (ﷺ) ہم
دیکھیے دیکھیں گے اس سرور کا کب دربار ہم
جلوۂ حُسنِ نبی (ﷺ) جاری ہے مثلِ بحرِ فیض
یا خدا پائیں گے کب اس سے درِ شہوار ہم

رضا کالی داس گپتا:

عرش سے لائے پیمبر (ﷺ) وہ پیامِ زندگی
بڑھ گیا جس سے وقار و احترامِ زندگی
قلبِ انساں سے نکالا موت کا خوف آپ (ﷺ) نے
زندگی کو آپ (ﷺ) نے بخشا مقامِ زندگی

ساحر ہوشیار پوری اوم پرکاش:

ہے زمانے بھر میں شہرہ اب میرے اشعار کا
ذکر ہے ان میں جنابِ احمدِ مختار (ﷺ) کا
قاتلوں نے بھی جھکایا آپ (ﷺ) کے قدموں میں سر
یہ بھی تھا اک معجزہ اخلاق کی تلوار کا

سحر کنور مہندر سنگھ بیدی:

تکمیلِ معرفت ہے محبت رسول (ﷺ) کی
ہے بندگی خدا کی اطاعت رسول (ﷺ) کی
تسکینِ دل ہے سرورِ کون و مکاں کی یاد
سرمایۂ حیات ہے الفت رسول (ﷺ) کی
عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد (ﷺ) پہ اجارہ تو نہیں

شفق گوپال کرشن:

ہر سمت رُونما ہوا جلوہ رسول (ﷺ) کا
کیوں کر نہ ہر زباں پہ ہو چرچا رسول (ﷺ) کا
کیوں وجد آفریں نہ ہو احساس زندگی
گونجا ہے ساز روح پہ نغمہ رسول (ﷺ) کا

طالب دہلوی شیش چندر:

کیا درس مساوات دیا نوعِ بشر کو
اترے گا نہ سر سے کبھی احسانِ محمد (ﷺ)
اے رحمتِ عالم تیرے جلووں کے تصدق
ہم کو بھی دکھا دے رخِ تابانِ محمد (ﷺ)

عاشق ہوشیار پوری منشی رانجھا:

طاقت کہاں بشر کی لکھے شانِ مصطفیٰ (ﷺ)
جب آپ ہی خدا ہو ثنا خوانِ مصطفیٰ (ﷺ)
عاشق نبی (ﷺ) کے عشق میں زر کی تو بات کیا
میری ہزار جان ہو قربانِ مصطفیٰ (ﷺ)

عرش ملیسانی:

عاشق حاملِ جلوۂ ازل پیکرِ نُورِ ذات تُو
شانِ پیغمبری سے ہے سرورِ کائنات تُو
فیضِ عمیم سے ترے قلب و نظر کی وسعتیں
مومنِ حق پرست کا حوصلہ نجات تُو
امیدِ شفاعت پہ دن کٹ رہے ہیں
وگرنہ کہاں مجھ میں کوئی قرینہ
یہی ما حصل عرشؔ ہے زندگی کا
میرا سر ہے اور آستانِ مدینہ

دلو رام کوثری:

عظیم الشان ہے شانِ محمد (ﷺ)
خدا ہے مرتبہ دانِ محمد (ﷺ)
بتاؤں کوثریؔ کیا شغل اپنا
میں ہوں ہر دم ثنا خوانِ محمد (ﷺ)
مدینے میں مجھ کو بلا یا محمد (ﷺ)
ذرا اپنا کوچہ دکھا یا محمد (ﷺ)
مجھے لوگ کہتے ہیں دیوانہ تیرا
کہوں اور کیا ماجرا یا محمد (ﷺ)
ترا کوثریؔ رہتا ہے ہندوؤں میں
ہے ظلمت میں آبِ بقا یا محمد (ﷺ)
کچھ عشقِ پیمبر میں نہیں شرطِ مسلماں
ہے کوثری ہندو بھی طلب گارِ محمد (ﷺ)

کیفی دہلوی چندر بھان:

اللہ نے جس عرب کو بیاباں بنا دیا
ابرِ کرم سے تُو نے گلستاں بنا دیا
نورِ ازل کی ایسی ضیا پاشیاں ہوئیں
ذرے کو آفتاب درخشاں بنا دیا

گلشن ہریانوی رام مورتی:

چمکتا ہے روضہ درون مدینہ
انگوٹھی میں جیسے جڑا ہو نگینہ
پیغمبر کی تقلید لازم ہے گلشنؔ
نہ پالو کبھی دل میں بغض اور کینہ

گویا گیانی کرتار سنگھ:

دو عالم کے آقا (ﷺ) خوشی چاہتا ہوں
خوشی ہی نہیں زندگی چاہتا ہوں
عطا کیجیے مجھ کو نورِ ہدایت
اندھیرے میں ہوں روشنی چاہتا ہوں

مشر، پنڈت پربھودیال:

اے ابرِ کرم بحر سخا احمد مختار (ﷺ)
دنیا کے عذابوں سے بچا احمد مختار (ﷺ)
ہے تیرے لیے پردہ کثرت کی نمائش
ہے تُو ہی دو عالم کی بِنا احمد مختار (ﷺ)

منوہر لال دلؔ:

آقا جو محمد (ﷺ) ہے عرب اور عجم کا
بے مثل نمونہ ہے مروت کا کرم کا
حاصل ہے جنہیں تیرے غلاموں کی غلامی
لیتے نہیں وہ نام کبھی قیصر و جم کا
کہتے ہیں جسے اہلِ جہاں احمد مرسل (ﷺ)
دریا ہے وہ اُلفت کا، وہ منبع ہے کرم کا

ناشاد سرجیت سنگھ:

اسی کی ہے صبحیں اسی کی ہے شامیں
جو لیتا ہے ہر صبح نامِ محمد (ﷺ)
قیامت سے مجھ کو ڈراتا ہے ناصح
پتہ ہے کہ میں ہوں غلامِ محمد (ﷺ)

نذیر قیصر:

چراغ نور مصطفی (ﷺ) دلوں میں ہے
وہ آفتاب کم نما دنوں میں ہے
زمین جس کے سائے کو ترس گئی
اس اجنبی کا نقشِ پا دلوں میں ہے

لرز رہا ہے جس سے ساز حرف کن
کبھی سنو کہ وہ صدا دلوں میں ہے

ہندوؤں اور سکھوں کے نعتیہ مجموعوں کے متعلق نور احمد میر ٹھی کی رائے بہت اہم ہے:

"یہ غیر مسلموں بالخصوص ہندوؤں اور سکھوں کی نبی اکرم (ﷺ) سے عقیدت و محبت ہی ہے، کہ متعدد شاعروں کی نعتیں ان کے شعری مجموعوں میں بھی ملتی ہیں- مگر یہ بات ہر اعتبار سے اہم ہے کہ بعض غیر مسلم شعراء کا نعتیہ ذخیرہ اتنا مقبول ہوا کہ ان کے مجموعے منظر عام پر آئے-اس سلسلے میں کوثری دلو رام کا نعتیہ مجموعہ "گلبنِ نعت کوثری"، مہاراجہ سر کشن پرشاد کا مجموعہ "ہدیۂ شاد"، بالمکند عرش ملسیانی کا مجموعۂ نعت "آہنگِ حجاز"، الن جون مخلص بدایونی کا مجموعہ "گل دستۂ نعت"، آرزو سہارن پوری کا "ظہورِ قدسی"، ادیب لکھنوی کا مجموعۂ نعت "نذرانۂ عقیدت"، کالی داس گپتا رضا کا "اُجالے"، چرن سنگھ ناز مانک پوری کا مجموعہ "رہبرِ اعظم" شائع ہو چکے ہیں"-[3]

ڈاکٹر عمیر منظر کی آخر پہ رائے ملاحظہ ہو:

"ہندوستان کے مخصوص ثقافتی اور تہذیبی پس منظر میں غیر مسلم نعت گو شعرا نے ایک بڑی خدمت انجام دی ہے- اس سے جہاں باہمی انس و محبت اور اور اخوت و یگانگت کی فضا قائم ہوئی ہے- ان نعتوں نے منافرت اور دشمنی کے ماحول میں سرور کائنات (ﷺ) کے اخلاق اور مروت کو رہنما بنایا-ہندوستان کے کثیر ثقافتی اور تہذیبی ماحول کو یقینا نعتیہ شاعری کے سبب بڑی تقویت ملی ہے"-[4]

بطور مجموعی کوشش کی گئی ہے کہ غیر مسلم شعراء کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا جائے لیکن چونکہ ان شعراء کی تعداد سینکڑوں میں ہے- لہٰذا تمام شعراء کے کلام کی مثالیں دینا اور ان پر مفصل بات کرنا ممکن نہیں ہے- جتنے شعراء کے کلام پہ بات کی گئی ہے یا جن شعراء کے کلام سے نعتیہ مثالیں دی گئی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ ہندو، سکھ، عیسائی اور انگریز شعراء نے اپنی فہم اور فراست کے مطابق حضور نبی اکرم (ﷺ) کی شان مبارک لکھنے کی کوشش اور کاوش کی ہے اور یہ نعتیہ انتخاب اردو ادب کی روایت میں خوبصورت اضافہ ہے-

☆☆☆

[3] نور احمد میر ٹھی، بہر زماں بہر زباں، کراچی، ادارۂ فکرِ نو 1996، صفحہ 70

[4] غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی https://adbimiras.com/ghair-muslim-shora-ki-naat-goyi-by-dry-dr-omair-manzar/

www.alfaqr.tv
YouTube
CHANNEL
www.youtube.com/AlfaqrTv
صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب
کے علمی، فکری اور تربیتی خطابات کی ویڈیوز دیکھنے کیلئے
Alfaqr.Tv
Official Channel Of Islahee Jamaat & Almi Tanzeem-ul-Arifeen
پختہ ایمان کی اولین شرط کیا ہے؟
1:07:56
حضرت خواجہ فریدؒ کا عارفانہ کلام
12:36
حضور نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت پر واضح قرآنی دلیل
2:51
رسولِ پاک ﷺ کا حُسن و جمال کیسا تھا؟
1:22:05
صوفیائے کرام کا طریق ہر بغض سے پاک
3:41
رسول کریم ﷺ کی زیارت کا آسان ذریعہ
ختم نبوت: دُنیا، برزخ اور آخرت
26:54
الفقر ٹی وی ویب سائیٹ اور
یوٹیوب چینل وزٹ کریں

سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو کے صوفیانہ تصور کی تفہیم

Congregations of Prophet ﷺ

مجالسۃ النبی ﷺ

A Study of Sultān Al-‘Arifīn Sultan Bahoo’s Classic Text

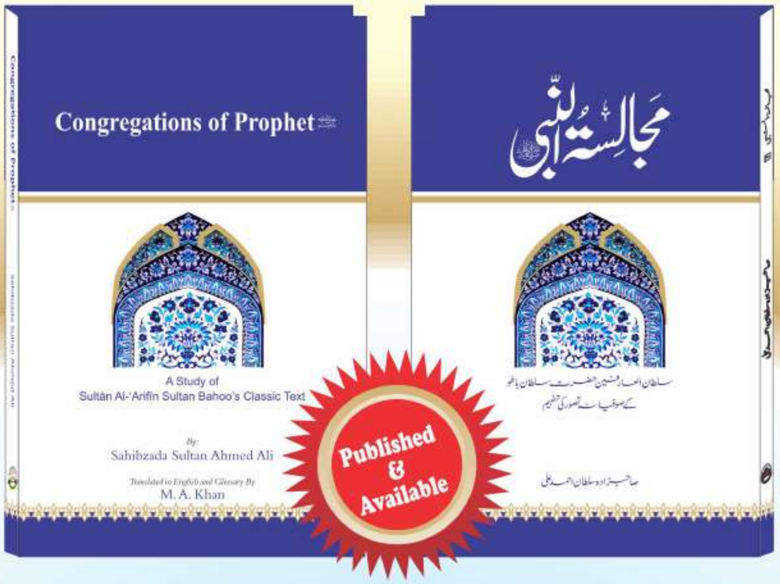

By:

Sahibzada Sultan Ahmed Ali

Translated in English and Glossary By

M. A. Khan

اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں

مکتبہ العارفین پبلیکیشنز سے خریدی جاسکتی ہیں

العارفین پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور-پاکستان

اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں

ہیڈآفس: دربارِ عالیہ حضرت سخی سلطان باھوؒ ضلع جھنگ (پنجاب) پاکستان

پی او بکس نمبر 11 جی پی او لاہور

ویب سائٹ: www.alfaqr.net

ای میل: alarifeenpublication@hotmail.com